مجالسِ رنگین

مصنفہ

سعادت یار خاں رنگین دہلوی

مرتبہ

سیّد مسعود حسن رضوی ادیب ایم۔ اے

باہتمام محمد جواد مالک و مہتمم مطبع

در نظامی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ طبع گردید

ہدیہ محبت بخدمت جناب ...
سید مسعود حسن رضوی
۹ اکتوبر ۵۷ء

فہرست

مقدمہ

اس کتاب کے مصنف سعادت یار خان رنگین سید انشا کے گہرے دوست اور دہلی کے مشہور شاعروں میں ہیں۔ دیباچہ کتاب میں لکھتے ہیں کہ ۱۰ رجب ۱۲۴۱ھ کو لکھنؤ میں چند اعزا اور احباب خاص کے مجمع میں اپنی اور مختلف شاعروں کی گزشتہ صحبتوں کا ذکر کر رہا تھا اور بیان کر رہا تھا کہ فلاں شہر میں فلاں شخص سے یہ گفتگو ہوئی اور فلاں سے یہ۔ میرے دوست مرزا نعیم بیگ جوان نے فرمایا کہ اگر اس تقریر کو ایک رسالہ کی شکل میں لکھ ڈالو تو ایک یادگار باقی رہ جائے گی۔ میر انشاء اللہ خاں نے بھی ان کی تاکید کی اور تمام اہل صحبت بھی مصر ہوئے آخر میں نے ان کی خاطر سے چند مجلسیں لکھیں۔

اس کتاب کا نام سید انشاء اللہ خاں کا تجویز کیا ہوا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ مصنف کے نام اور کتاب کے موضوع کے اعتبار سے اس سے بہتر نام ملنا مشکل تھا۔

"مجالس رنگین" نہایت دلچسپ اور پُر از معلومات کتاب ہے۔ اس میں بہت سے ان شاعروں کا حال ملتا ہے جن کے بیان سے اکثر تذکرے خالی ہیں اور چونکہ رنگین کے تمام بیانات چشم دید ہیں لہذا مستند بھی ہیں۔ جتنے آدمیوں کا ذکر آیا ہے ان کی فہرست مجلسوں کے حوالوں کے ساتھ کتاب کے آخر میں درج ہے

اس کتاب سے رنگین کے زمانہ کے مذاق شعر۔ اس دور کے لوگوں کی طبیعت۔ اور اس عہد کی معاشرت کے بعض پہلوؤں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

خود رنگین کے بارے میں بھی اس کتاب سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں یہ باتیں کتاب بھر میں بکھری ہوئی ہیں۔ ان کو یکجا کرنے سے ذیل کے نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

سعادت یار خاں رنگین کے والد محکم الدولہ طہماسپ بیگ خان بہادر اعتقاد جنگ ایک معزز امیر تھے۔ ان کی جاگیر بہت بڑی تھی۔ بادل کا پرگنہ چوراسی گاؤں کے ساتھ ان کی جاگیر میں شامل تھا۔ سنہ ۱۲۰۳ھ میں شاہ عالم بادشاہ دہلی نے ان کو اپنا ایلچی بنا کر تیمور شاہ والی کابل کے پاس بھیجا تھا۔ اس واقعے کی تفصیل آگے درج کی جائے گی۔ رنگین خود بھی معزز آدمی تھے۔ بڑے بڑے نوابوں اور منصب داروں سے بے تکلف دوستی اور برادرانہ تعلقات تھے۔ نواب نجف قلی خاں نے جب نواب مرزا جعفر کو کانوڑ سے دہلی بھیجا تو رنگین کو بھی دو سو سواروں کے ساتھ ان کے ہمراہ کر دیا۔ جب یہ لوگ ریواڑی کے شہر میں پہنچے تو وہاں کے راجہ مترسین نے ان کی بڑی پر تکلف دعوت کی۔ لشکر ارنول میں رنگین نواب اسمٰعیل خاں بہادر کے ساتھ تھے۔ نواب غلام قادر خاں فرخ رنگین کے دوستار بدل بھائی تھے اور انھیں کی صحبت میں رنگین کو شعر گوئی اور شعر خوانی کا شوق پیدا ہوا تھا۔

رنگین شاہ حاتم کے شاگرد تھے۔ بچپن سے بے جھجک اور بیباک تھے اور بقول خود ان کے مزاج میں چالاکی زیادہ تھی اور شعور کم۔ چنانچہ ایک دن شاہ حاتم نے اپنے شاگردوں اور ارادت مندوں کے مجمع میں اپنا یہ مطلع پڑھا ؎

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے   رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

رنگین نے سنتے ہی کہا کہ اگر یوں ہوتا تو بہتر تھا ؎

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے   ہم نے شب ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

لوگوں کو رنگین کی یہ گستاخی بری معلوم ہوئی۔ لیکن شاہ صاحب نے بڑی تعریف کی اور کہا کہ میں اپنے دیوان میں اس مطلع کو یوں ہی لکھوں گا۔ اس واقعے سے ضمناً یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اس زمانے میں لوگ علامت فاعل (نے) کے حذف کو خلاف فصاحت سمجھنے لگے تھے۔ اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ رنگین نے میر سوز کے اس مصرع پر بھی ؏

"میں کہا دل میں درد ہے میرے"

یہ اعتراض کیا تھا کہ "میں کہا" غیر فصیح ہے۔

رنگین کوئی عالم و فاضل شخص نہیں تھے اور ان کو علمیت کا دعویٰ بھی نہ تھا چنانچہ خود کہتے ہیں۔

"اگرچہ بگمان ہیچ کمالے ندارد امّا از فیض صحبت بزرگاں فی الجملہ از شعر و شاعری بہرہ بر داشتہ"

مرزا نعیم بیگ جواں نے جب یہ کتاب لکھنے کی فرمایش کی تو رنگین نے انکو یہ جواب دیا:

"علم اصلا ندارم اگر نوشتم چہ تکلف پیدا خواہد کرد۔ نظم من چیست کہ نثر خواہد بود"

اُس زمانہ کا ہر شریف آدمی تھوڑی بہت فارسی ضرور پڑھتا تھا چنانچہ رنگین بھی فارسی جانتے تھے۔ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ مگر فارسی نثر اچھی نہیں لکھتے تھے اور ان کو خود بھی اس بات کا احساس تھا۔ ان کی نثر میں کوئی حسن یا ادبیت تو خیر ہے ہی نہیں اس میں فارسیت کی روح بھی مفقود ہے۔ ان کا انداز بیان اور پرواز خیال دونوں بالکل ہندی ہیں۔ وہ سوچتے اُردو میں ہیں اور لکھتے فارسی میں ہیں۔ اسی لیے گو الفاظ سب فارسی ہیں مگر جملوں کی ساخت اُردو ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو اِسے اُسی نظر سے پڑھنا چاہیے جس نظر سے یہ لکھی گئی ہے یعنی "مطلب از عبارت نیست مُدعا ز دعاست"۔

"مجالس رنگین" یقیناً نثر کی پہلی کتاب ہے جو رنگین کے قلم سے نکلی اور اُن کی تصنیفات کی طویل فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی نثر کی آخری کتاب بھی ہے۔ ان کی کسی دوسری نثر تصنیف کا پتہ اب تک نہیں چلا۔ ان کی فارسی نظم بھی سیدھی سادھی ہوتی ہے۔ چند غزلیں اس کتاب میں جا بجا درج ہیں۔ اُن سے ان کی فارسی شاعری کا انداز معلوم ہو سکتا ہے۔

رنگین نے اپنا تخلص اپنی طبیعت کے مناسب رکھا تھا وہ ایک رنگین مزاج زندہ دل۔ یار باش۔ آزاد طبع حسن پرست اور عاشق مزاج آدمی تھے۔ (دیکھو

مجلس ۱۹ و ۴۰ و ۵۰) مگر اسی کے ساتھ خود دار بھی تھے اور اپنے خاص احباب
یا نہایت خاص لوگوں کے سوا ہر شخص کے یہاں جانا آپ پسند نہیں کرتے تھے۔
(دیکھو مجلس سی و یکم)

نواب غلام قادر خاں فرخ رنگین کے بڑے گہرے دوست تھے۔ لڑکپن
میں ان دونوں نے اپنی پگڑیاں بدلی تھیں۔ یہ اردو کے اچھے شاعر تھے۔ انھیں کی
صحبت میں رنگین کو شعر خوانی اور شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا تھا۔ رنگین شاہ حاتم
سے اصلاح لیتے تھے اور شاہ صاحب کی رائے ابتدا ہی میں یہ تھی کہ کچھ مشق
کے بعد یہ بہت ترقی کریں گے۔ رنگین نہایت زود گو تھے اور اسی زود گوئی کی بدولت
بہت سی کتابیں تصنیف کر ڈالیں۔ مگر ان کے کلام میں حقیقی شاعری بہت کم ہے
زیادہ تر ان کی توجہ محاورات کی درستی، عبارت کی چستی اور الفاظ کی نشست وغیرہ
کی طرف رہتی تھی۔ ایک غزل اس شرط کے ساتھ کہی کہ حروف تہجی میں سے ترتیب وار
ایک ایک حرف سے دو دو لفظ شروع ہوں۔ قافیہ اور ردیف کو اس شرط سے
مستثنیٰ کر دیا تھا۔ یہ غزل مجلس بست و دوم میں درج ہے۔ باوجود انتہائی زود گوئی کے
اس غزل کی تصنیف میں تین مہینے فکر کرنا پڑی۔ لیکن سچ پوچھیے تو ان کی یہ محنت
"کوہ کندن و کاہ بر آوردن" کا مصداق ہے۔ شاعری سے تو اس کو کوئی علاقہ نہیں
البتہ الفاظ کے استعمال پر قدرت حاصل کرنے کی ایک اچھی مشق ہے۔

اختلاف مذاق ہر زمانہ میں رہا ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ رنگین کے زمانہ میں بھی کوئی

صاف شعر پسند کرتا تھا کوئی دقیق - خود رنگین کا خیال یہ تھا کہ صاف شعر اچھا ہوتا ہے اس لیے کہ وہ عام فہم اور خاص پسند ہوتا ہے - اس کے علاوہ صاف شعر میں محاورے اور اصطلاح کی غلطی اور کلام کی مہملیت چھپ نہیں سکتی - اور اسکی اچھائی برائی جلد معلوم ہو جاتی ہے - اس کے خلاف دقیق شعر میں اگر کوئی قباحت بھی ہوتی ہے تو عام لوگ اپنے فہم کا قصور سمجھ کر خاموش ہو رہتے ہیں اور خاص لوگ بھی شبہے میں پڑ جاتے ہیں - اسی لیے صاف شعر کہنا دقیق شعر کہنے سے زیادہ مشکل ہے -

رنگین توارد اور سرقے کی بحث کو فضول سمجھتے تھے - اُن کا خیال یہ تھا کہ مضمون کو جو شخص خوبی کے ساتھ باندھ دے وہی اسکا مالک ہے - یعنی وہ مضمونِ شعر کو انداز بیان کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے -

رنگین کو میر حسن کی مثنوی اسقدر پسند تھی کہ وہ پسندیدگی کو لفظ عشق سے ظاہر کرتے ہیں - انھوں نے اس مثنوی کو نہایت تحقیق و تصحیح کے بعد اپنے ہاتھ سے نقل کیا تھا - پھر بھی چند مقامات پر کچھ شبہے رہ گئے تھے جن کو انھوں نے فیض آباد میں مصنف کے بیٹے میر خلیق سے پوچھ کر دور کرنا چاہا تھا - جن شعروں میں رنگین کو شبہ تھا وہ یہ ہیں ؎

مخرق جو اِدھر سے اک جفت کفش — نہ وہ مقدرت پایا بلکہ پا منفعت کفش
کہا اس نے اس سے کہ سچ مچ ہے یہ — دیا چھیڑنے کو مرے کچھ سبب یہ
کھڑے اس کے ارمنے ہوتے تھے سر جوڑ جوڑ — کہ جی کون دیتا ہے بد بد کے ہو ر
بچھو تفضل کرتے نہیں لگتی یا ر — نہ تو مجھ سے مایوس امیدوار

ان میں سے پہلے شعر کے معنی رنگین کی سمجھ میں نہیں آئے تھے اور باقی شعروں کے قافیے مشتبہ معلوم ہوتے تھے۔

میر سوز کی شاعری رنگین کو پسند نہ تھی۔ مگر اُن کی بزرگی کا لحاظ کرتے تھے۔ رنگین نے بہت سے شاعروں کا ذکر کیا ہے لیکن صرف میر کو "حضرت میر تقی صاحب" لکھا ہے۔ اس عزت سے کسی دوسرے شاعر کا نام نہیں لیا ہے۔ مگر اعتراض سے اُن کو بھی نہ چھوڑا۔ اُن کو میر کے کلام پر خاص اعتراض یہ تھا کہ وہ لفظوں کو تنگی سے نظم کرتے ہیں مثلاً ؎

سارے رند اوباش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں
بانکے ترچھے ٹیڑھے تیکھے سب نے تجھ کو امام کیا
کیسا کعبہ کس کا قبلہ کون حرم کیسا احرام
کوچے کے تیرے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا

رنگین سید انشا کو باکمال اُستاد سمجھتے تھے اور اُن کی شاعری سخن فہمی اور انتخاب الفاظ کے قائل تھے (دیکھو مجلس بست و چہارم)

رنگین کو بدیہہ گوئی میں کمال حاصل تھا اور ان کے ہمعصر بھی ان کے اس کمال کے معترف تھے۔ یہاں اُن کی بدیہہ گوئی کی مثالیں پیش کرنا ضروری نہیں معلوم ہوتا کتاب کا ہر ورق اُن کے اس وصف پر شاہد ہے۔

عیوب کلام پر رنگین کی نظر فوراً پڑتی تھی۔ کسی کے کلام پر اعتراض کر دینا تو کوئی

بڑا مشکل کام نہیں ہے۔ مگر رنگین ہیں کمال یہ تھا کہ ادھر اعتراض کیا اور اُدھر اصلاح دیکر شعر کو درست کر دیا یا اُس سے بہتر شعر فوراً کہدیا۔ وہ اعتراض کرنے میں بڑے بیباک تھے لیکن بزرگوں کے کلام پر اعتراض کرنا خلاف ادب سمجھتے تھے۔ پھر بھی اگر ضرورت پڑ جاتی تھی تو اعتراض کرنے سے باز نہ رہتے تھے۔ اپنے ہمعصروں کے علاوہ شاہ حاتم میر سوز۔ مرزا سودا۔ میر تقی میر کے کلام پر بھی جابجا اعتراض کیے ہیں۔ ایک مرتبہ سبحان قلی بیگ راغب کے اصرار سے رنگین نے میاں نصیر کے ایک مطلع میں ایک لفظ بدل دیا۔ اس کی خبر میاں نصیر کو پہونچی تو وہ رنگین سے آزردہ ہوگئے اور بڑی مشکل سے ایک مدت کے بعد صفائی ہوئی (دیکھو مجلس یازدہم)

رنگین ریختی کے موجد تھے۔ بعض لوگوں نے عادل شاہی دور کے ایک قدیم دکنی شاعر ہاشمی بیجاپوری کو ریختی گو کہا ہے۔ ہاشمی غزل میں ہندی شاعری کے طرز پر عورت کا عشق مرد کے ساتھ دکھاتا تھا۔ لیکن ریختی حقیقت میں ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں عورتوں کی زبان اور اُن کے مخصوص محاورات استعمال کیے جائیں۔ اس تعریف پر نظر رکھ کر ہاشمی دکنی کو ریختی گو کہنا مشکل ہے۔ رنگین نے ریختی کا ایک پورا دیوان تصنیف کیا تھا جس میں قصیدے۔ مثنویاں۔ غزلیں۔ رباعیاں۔ قطعے۔ مخمس اور مستزاد بھی تھے۔ اُن کی ریختی کی غزلیں ان کی زندگی ہی میں دور دور تک مشہور ہو گئی تھیں اور خوشی کے جلسوں میں گائی جاتی تھیں۔

ریختی کے علاوہ ہزل کہنے کا بھی ملکہ تھا۔ مگر ہزل میں اکثر فحش بھی شامل کر دیتے تھے

ان کی چند ہزلیں اور چند متفرق ہزلیہ اشعار اس کتاب میں موجود ہیں۔ ان میں جہاں کہیں فحش الفاظ تھے وہ حذف کرکے ان کی جگہ نقطے دیدیے گئے ہیں۔

رنگین کو ہندی شاعری میں کچھ زیادہ دخل تو نہ تھا لیکن کبھی کبھی کبت اور دوہے بھی لکھ لیتے تھے

رنگین کا حافظہ بہت قوی تھا اور ہزاروں شعر یاد تھے۔ ایک مرتبہ اُنھوں نے اپنے شاگردوں کے بہت سے شعر زبانی پڑھکر سنا دیے یہ تمام شعر جو تعداد میں ۹۴ ہوتے ہیں آخری مجلس میں درج ہیں

رنگین منصف مزاج آدمی تھے۔ جہاں وہ دوسروں کے کلام پر بے دھڑک اعتراض کر دیتے تھے وہاں اپنے کلام پر اعتراض سن بھی سکتے تھے۔ صحیح اعتراض کو تسلیم کر لیتے تھے۔ اور اگر کوئی مناسب اصلاح دیتا تو اُسکو مان بھی لیتے تھے۔ اگر کسی کا شعر اُن کے شعر سے اچھا ہوتا تھا تو اسکو تسلیم کر لیتے تھے۔ لیکن صاف گو اتنے تھے کہ اگر اپنے شعر کو کسی کے شعر سے بہتر سمجھتے تھے تو اُس کے منھ پر صاف صاف کہدینے میں تامل نہ کرتے تھے۔

رنگین نے ہندوستان کے اکثر شہروں کی سیر کی تھی جن شہروں کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے انکی فہرست کتاب کے آخر میں درج ہے۔ مکہ کے سفر کا بھی ارادہ کیا تھا اور کلکتہ سے جہاز پر سوار ہوئے تھے۔ مگر اُس زمانہ میں بحری سفر میں ہزاروں مصیبتوں کا سامنا ہوتا تھا۔ رنگین کو کھانے پینے کی بھی بہت تکلیف ہوئی اور وہ خارش کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ کلکتہ سے مدراس تک پہونچتے پہونچتے ایسے اپنی زندگی سے بیزار ہو گئے کہ یہ مطلع اپنے حسب حال کہا۔

دم آیا ناک میں اس آہ و زاری کے جینے سے   طبیبو موت ہی بہتر ہے بیماری کے جینے سے

جہاز کے ناخدا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مکہ نہیں بلکہ بصرہ جائیگا۔ جو لوگ حج کے ارادے سے سوار ہوئے تھے اُنھوں نے بہت خوشامد کی تو اُس نے انکو پھر کلکتہ روانہ کردیا۔ رنگین کو جہاز کے سفر میں جتنی تکلیف ہوئی تھی وہ ان کے اس جملے سے ظاہر ہوتی ہے:۔

"حق تعالیٰ عذاب جہاز کسے نصیب نہ کناد"

لکھنؤ میں رنگین اور انشا دونوں شاہزادہ مرزا محمد سلیمان شکوہ سلیمان کی سرکار میں ملازم تھے اور دونوں میں بیحد ربط ضبط تھا چنانچہ انشا نے یہ شعر اُسی زمانہ کی یاد میں کہا ہے ؎

عجب رنگینیاں ہوتی تھیں تب باتوں میں اے انشا ہم مل بیٹھتے تھے جب سعادت یار خاں اور ہم

اس کتاب میں جہاں کہیں "مرشد زادہ" یا "مرشد زادہ آفاق" کے الفاظ آئے ہیں وہاں یہی شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ مراد ہیں۔

آخری مجلس میں رنگین نے اپنے دس شاگرد بتائے ہیں اور ان میں سے نو کے نام بھی دیے ہیں جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) میر سید علی غمگین (۲) بسنت سنگھ نشاط۔
(۳) آفتاب خاں منیر۔ (۴) محمدی خاں (تخلص نہیں دیا)۔
(۵) راجہ کدارناتھ نسیم۔ (۶) راجہ تہنکرناتھ صبا۔
(۷) ایک عورت چنہاں تخلص۔ (۸) آدم بیگم بیگم۔

(۹) عزیز طوائف عزیزیہ

اس کتاب میں رنگین کی تین اور تصنیفوں کا ذکر آیا ہے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) مثنوی شہزادہ مہ جبین و رانی سری نگر نازنین۔ یہ اُردو زبان میں ایک عشقیہ مثنوی ہے اس کے چند شعر مجلس دوم میں نقل کیے گئے ہیں۔

(۲) مثنوی سوداگر اصفہانی۔ یہ مثنوی فارسی زبان میں ہے اور سبحان قلی بیگ راغب کی فرمایش سے تصنیف کی گئی تھی اسکے چند شعر مجلس بست و سوم میں درج ہیں۔

(۳) ایجاد رنگین۔ اس میں بہت سی حکایتیں ہیں جو اُردو میں نظم کی گئی ہیں مجالس رنگین میں بعض حکایتوں کی شان نزول متفرق مقامات پر درج ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں کتابیں مجالس رنگین سے پہلے تصنیف ہو چکی تھیں رنگین بہت سی کتابوں کے مصنف تھے انکی تصنیفات کا اچھا خاصہ ذخیرہ لندن میں انڈیا آفس کے کتبخانہ میں محفوظ ہے۔ فہرست تصانیف مقدمہ کتاب کے بعد لگا دی گئی ہے۔

رنگین کے بارے میں اس کتاب سے جو کچھ معلوم ہو سکتا ہے وہ لکھا جا چکا۔ اب وہ متفرق باتیں لکھی جاتی ہیں جن کا ذکر صرف ضمناً آگیا ہے اس لیے ان کے نظر انداز ہو جانیکا خوف ہے ان باتوں کے ذکر میں کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہیں رکھی جا سکتی۔

(۱) ایک دستہ فوج میں بارہ ہزار سوار ہوتے تھے اور ایک کمپو میں سات آٹھ ہزار سپاہی ہوتے تھے۔

(۲) رنگین کے زمانہ میں امیروں کے یہاں پُرتکلف دعوتوں کے بعد ناچ گانا بھی ضرور ہوتا تھا۔

(۳) اس زمانہ میں نواب آصف الدولہ فرمانروائے اودھ کی شاعری کی شہرت دُور دُور تھی۔ اُن کی غزلیں اتنی مقبول تھیں کہ ارباب نشاط ان سے خوشی کی محفلیں گرم کرتے تھے۔

(۴) میموں یعنے انگریز عورتوں کو اس زمانہ کے لوگ بی بی صاحب کہتے تھے۔

(۵) اس زمانہ میں دستور تھا کہ جب کسی گہرے دوست کو اپنا بھائی بنانا چاہتے تھے تو اپنی پگڑیاں بدل لیتے تھے۔

(۶) اس زمانہ میں شاعری کا بڑا چرچا تھا۔ دہلی کے شاعروں کو خاص اعزاز و امتیاز حاصل تھا۔ لوگ میرؔ اور سوداؔ کی شاعری کے بہت معترف تھے۔ میاں نصیرؔ کی مشاقی کا سکہ بھی دلوں پر بیٹھا ہوا تھا اور بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اُردو شاعروں میں تہ دار۔ دقیق اور مشکل شعر کہنے والا میاں نصیرؔ کا سا کوئی اور نہیں ہے۔

(۷) اس زمانہ میں جہاز پر سفر کرنیوالوں کو بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ رنگینؔ نے اسوقت کے جہازوں کی شکل صورت۔ لمبائی۔ چوڑائی وغیرہ کا تفصیلی ذکر مجلس پنجاہ و ہفتم میں کیا ہے۔

(۸) تیمور شاہ والیٔ کابل نے ۱۲۰۰ھ میں اسد یار خاں دُرّانی کو اپنا ایلچی بنا کر تحفے تحائف ساتھ کر کے شاہ عالم بادشاہ دہلی کے پاس بھیجا۔ وہ تین مہینے تک دہلی میں مقیم رہے

جب رخصت ہونے لگے تو شاہ عالم نے رنگین کے والد طہماس بیگ خاں کو اپنی طرف سے ایلچی بنا کر اس ملک کے تحفوں کے ساتھ انکے ہمراہ کابل بھیجا۔ بادشاہ نے طہماس بیگ خاں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ مہاراجہ پٹیل بہادر کے پاس ہوتے ہوئے جائیں جو ان زمانہ میں دو لاکھ سواروں کے ساتھ راجپوتانہ کی مہم میں مصروف تھے۔ اس سفر میں رنگین اور انکے تین بھائی محمد یار خاں۔ حق وردی خاں۔ اور خدا وردی خاں بھی اپنے والد کے ہمراہ تھے۔ رنگین لکھتے ہیں کہ جب ہم لوگ دہلی سے روانہ ہو کر کوٹا بوندی کے نواح میں پہونچے تو دیکھا کہ تمام ملک مرہٹوں کی تاخت سے بے چراغ ہو گیا ہے اور ہزاروں مرہٹہ سوار قزاقی کر رہے ہیں۔

مجالس رنگین کا جو نسخہ میرے کتبخانہ میں ہے وہ سنہ ۱۲۷۲ھ میں "مطبع محمدی" میں چھپا تھا۔ ایک نسخہ محترمی جناب پنڈت منوہر لال صاحب زتشی کے کتبخانہ میں بھی موجود ہے مگر وہ بھی اسی مطبع اور اسی سنہ کا چھپا ہوا ہے۔ لندن میں "انڈیا آفس" کے کتبخانے میں اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے جس کی تاریخ تحریر ۵ جمادی الاولی سنہ ۱۲۴۹ھ ہے۔ ایک قلمی نسخہ اور بھی ہے مگر اُن تک میری رسائی نہیں۔ بہرحال اسکا کوئی دوسرا ایڈیشن یا کوئی قلمی نسخہ مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ اس لیے اسکا مقابلہ نہیں کیا جاسکا۔ لیکن یہ نسخہ بہت صاف خوشخط اور صحیح چھپا ہوا ہے۔ ایسے مقامات جو کسی قدر مشتبہ ہیں دو تین سے زیادہ نہیں ہیں۔ مجلس بست و یکم میں "بادشاہ عالم شاہ" چھپا ہوا تھا۔ موجودہ ایڈیشن میں اس

کھلی ہوئی غلطی کو دور کر دیا اور اُس کی جگہ "شاہ عالم بادشا" لکھدیا ہے بعض اشعار میں سے فحش الفاظ نکال کر انکی جگہ نقطے لگا دیے ہیں اور تہذیب کتابت زمانۂ حال کے مطابق کر دی ہے۔ اس کے علاوہ متن کتاب میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا ہے

سید مسعود حسن رضوی۔ ادیب

۱۴ اگست ۱۹۲۹ء

تصنیفاتِ رنگین

رنگین بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ انھوں نے اپنی تصنیفات کو کئی مجموعوں میں تقسیم کر کے ہر مجموعے کا ایک نام رکھ دیا تھا۔ مثلاً "مثلث رنگین" "خمسۂ رنگین" "شش جہت رنگین" "سبعہ سیارہ رنگین" "نورتن رنگین"۔ اُن کی اکثر کتابیں خود اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی لندن میں "انڈیا آفس" کے کتب خانہ میں موجود ہیں اُنکی فہرست ذیل میں درج کیجاتی ہے

(۱) دیوان ریختہ۔ پہلا دیوان
(۲) دیوان ریختہ۔ دوسرا دیوان
(۳) دیوان آمیختہ۔ ہزلیات
(۴) دیوان انگیختہ۔ ریختی
(۵) مجموعۂ رنگین۔ سات زبانوں میں سے کے قصائد و غزلیات وغیرہ کا مجموعہ۔
(۶) مجالس رنگین
(۷) امتحان رنگین
(۸) اخبار رنگین۔ چشم دید واقعات نظم ہیں۔
(۹) ایجاد رنگین۔ حکایات منظوم
(۱۰) عجائب و غرائب رنگین
(۱۱) شہر آشوب۔

(۱۲) کہاوتہائے رنگین ۔

(۱۳) حکایات رنگین

(۱۴) چہار چمن رنگین ۔ اس کتاب میں چار باب ہیں اول در معاد ۔ دوم در معاش سوم در ظرافت چہارم در تصوف ۔

(۱۵) نظم رنگین ۔ سو حکایتوں کا مجموعہ ۔

(۱۶) داستان رنگین ۔ سرگزشت آغا عزیز سوداگر گجرات ۔

(۱۷) جنگ نامۂ رنگین ۔

(۱۸) نصاب رنگین ۔

(۱۹) مثنوی فارسی بطرز مثنوی مولانائے روم

(۲۰) تصنیف رنگین

(۲۱) گلدستۂ رنگین ۔

(۲۲) سجۂ رنگین ۔

(۲۳) رنگین نامہ ۔

(۲۴) ساقی نامۂ رنگین ۔

(۲۵) تجربۂ رنگین ۔

(۲۶) کلام رنگین ۔

(۲۷) فرس نامۂ رنگین ۔ جس کا دوسرا نام "اسپ نامہ" ہے ۔

(۲۸) قوت الایمان ۔ عقائد اسلام میں ۔

(۲۹) قصیدہ قادریہ کا منظوم ترجمہ ۔

(۳۰) قصیدہ "بانت سعاد" کا منظوم ترجمہ ۔

(۳۱) سودا کا ایک قصیدہ رنگین کی اصلاح و ترمیم کے ساتھ ۔

ان کتابوں کے علاوہ ایک مجموعۂ انتخابات بھی ہے جس میں رنگین کی کئی کتابوں کے انتخابات کے علاوہ ایک مثنوی بنارس کی تعریف میں اور مفتوں ۔ نثار میر اور ذوق کے پانچ مطلعوں کی تضمینیں بھی شامل ہیں ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد داور دادار و نعت احمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہ الاطہار و اصحابہ الکبار این چند حکایات خادم الشعرا سعادت یار خان رنگین ولد محکم الدولہ طہماس بیگ خان بہادر اعتقاد جنگ بعرض تسطیر درآورده نارسائی ذہن بر مبصران نقود معانی روشن کرده واگرچہ گمان ہیچ کمالے ندارد اما از فیض صحبت بزرگان فی الجملہ از شعر و شاعری بہره برداشتہ بقول حضرت سعدیؒ ۔ نظم

گلے خوشبوے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم
کمال ہمنشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

روزے از روزہا در عہد شاہ عالم بہادر پادشاہ عالم غازی سنہ ۱۲۱۵ مطابق ہجری دوازده صد و پانزده بتاریخ ہفدہم رجب در لکھنؤ بنده و مرزا نعیم بیگ صاحب کہ جوان تخلص میفرمایند و بسیار دوست بنده اند و برادر صاحب مہربان انشاء اللہ خان صاحب

کہ انشا تخلص می فرمایند و برادر خواندۂ بندہ اند و نواب معتمد الدولہ صوفی آقا یار بیگ خاں بہادر شہامت جنگ کہ برادر کلاں حقیقی بندہ اند و مرزا حاجی بیگ صاحب میر گرائی صاحب وغیرہ باہم نشستہ بودیم بندہ ذکر صحبتہائے گذشتہ کہ با شعرا اتفاق افتادہ بود بفصاحت کلامی بیان می نمود کہ در فلاں مکان چنیں اتفاق شدہ و در فلاں شہر ایں واردات گذشتہ بود مرزا نعیم بیگ صاحب از راہ مہربانی فرمودند کہ اگر ایں تقریر را مع نظم و نثر بر چند اوراق بر نگارند یادگار بماند چرا کہ بفضل الٰہی نقادی فکر ایشاں بآں مرتبہ رسیدہ کہ در کلام اکثر دخل معقول را سزاوار شدند و قدرت بدیہہ گوئی زیادہ از حد پیدا کردہ اند گفتم مرزا صاحب علم اصلا ندارم اگر نوشتم چہ تکلف پیدا خواہد کرد نظم من چہ حیثیت کہ نثر خواہد بود بقول فردوسی طوسی ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی کہ با آسماں نیز پرداختی

فرمودند کہ در نظم خود نامہ پیدا کردہ اند نثر ہم بنویسند مطلب از عبارت نیست مدعا از مدعا است بقول سعدی :-

وصف ترا گر کند ور نہ کند اہل فضل حاجت مشاطہ نیست روی دلارام را

گفتم شوق شعر البتہ دارم لیکن مزاج بطرف باریکی مائل افتادہ آنچہ کہ خود نظم کردہ ام ہرگاہ بچشم باریکی و نگاہ عداوت غور مینمایم بیشتر بے معنی پوچ معلوم میشود و صد با قباحت دست بستہ حاضر می گردند کاش ایں قدر سعی و نگاہ عداوت صرف کلام خود سازم بقول شخصے کہ گفتہ۔

عیوب این و آن چون لعل و زر روشن بود بینش   چو دیدم عیب خود و بینی ببستم چشم و شب کردم

میر انشاء اللہ خاں فرمودند کہ ضرور باید نوشت و نام این نسخہ مجالس رنگین باید نوشت هر گاه هر یک مجوز این امر گردیدنا چار بپاس خاطر آنہا چند مجلس از نظم و نثر بہ نوک قلم در آورده نام این نسخہ مجالس رنگین نہادم توقع کہ پسند رای راست پسندان گردد

مجلس اوّل (در شاہ جہان آباد)

از پنجاه سال معمول حضرت شاه حاتم شاه بود کہ ہمیشہ چہار گھڑی روز باقی مانده در تکیہ شاه تسلیم شاه کہ پائین قلعہ مبارک ست تا شام نشستہ میماندند اکثر شاگردانِ و مردم دیگر کہ در خدمت اوشان بندگی داشتند آن وقت آنجا رفتہ حاضر میشدند چنانچہ بنده ہم شاگرد اوشان بود روزے در ایام نومشقی ہمان تکیہ در خدمت شاه صاحب موصوف بنده و محمد امان خاں نثار و لالہ مکند رائے فارغ و مرزا اکبر علی اکبر وغیره چند شاگردان دیگر حاضر بودیم حضرت شاه صاحب فرمودند امشب مطلع گفتہ ام ــ

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے   رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

چونکہ در مزاج پالائی بسیار بود و شعور کم بے تکلف از راه نادانی گستاخانہ عرض کردم کہ اگر مصرع ثانی این قسم ارشاد شود بہتر ست ــ ؎

سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے   ہم نے شب ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے

بمجرد شنیدن این دست بندہ را قریب خود کشیدہ دست بر سر گردانیدہ فرمودند کہ آفرین صد آفرین۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد چندے مشق ایشان بسیار ترقی خواہد کرد این مثل از زبان ارشاد فرمودند۔

"ہون ہار بروے کے چکنے چکنے پات"

شخصے از حاضران مجلس اظہار کرد کہ این قدر گستاخی لازم نبود فرمودند کہ واللہ در دیوان آہین قسم خواہم نوشت واین قطعہ بر زبان آوردند۔

من وآں سادہ دل کہ عیب مرا — ہمچو آئینہ روبرو گوید
نہ چو شانہ بصد زبان دو رو — پس سر رفتہ موبمو گوید

مجلس دوم

درایامے بہ شاہجہان آباد روزے مثنوی شاہزادہ مہ جبین و رانی سری نگر نازنین کہ تصنیف بندہ است روبروئے برادر صاحب مہربان مرزا سبحان قلی بیگ راغب میخواندم بجائے رسیدم کہ مہ جبین تصویر رانی را دیدہ بیہوش شدہ بود۔

دیکھنے سے ہوا جو عشق کا جوش — گر پڑا ہو کے مہ جبین بیہوش
سن کے یہ دوڑے سب صغیر و کبیر — غش کی کرنے لگا ہر اک تدبیر
کوئی بولا کہ کیوڑا لاؤ — کوئی بولا گلاب منگواؤ
گھس کے صندل کوئی لگانے لگا — بید مشک آ کوئی پلانے لگا

اوشاں فرمودند کہ در شعر آخر غلطی محاورہ است یعنی صندل را می چپانند کہ می لپایند
پس ایں را ایں قسم باید نوشت ؎

گھس کے صندل کوئی لگانے لگا — بید مشک آ کوئی پلانے لگا

گفتم راست فرمودند لیکن بردو سرمحاورہ چپانیدن برزبان می آرند و درعرش لپانیدن
استعمال می نمایند ایں را شنیدہ فرمودند کہ ازحق نباید گذشت راست تقریر نمودند۔

مجلس سوم

درشاہجہان آباد برادر صاحب مرزا سبحان قلی بیگ آغا غیث برادر صاحب
سید انشاء اللہ خاں و بندہ بہ حسب اتفاق برائے سیر دریا بر گھاٹ نگمبود رفتہ بودیم
دریا را در کمال طغیانی دیدہ مرزا سبحان قلی بیگ بدیہہ ایں مصرع فرمودند۔

عشق کے دریا کا عجب پاٹ ہے

بہ مجرد خواندن اوشان فی الفور مصرع ثانی بہم رسانیدہ گفتم کہ مطلع حق من است

عشق کے دریا کا عجب پاٹ ہے — تا دلے کس کو کڈھب گھاٹ ہے

ایں شنیدہ ہر دو صاحبان تحسین و آفریں کردند۔

مجلس چہارم

بہ شاہجہان آباد در مجلس شادی شخصے ابندہ و برادر مرزا سبحان قلی بیگ می دیگر

مردم بسیار نشسته بودیم ذکر رباعیات فارسی بود هر یکی رباعی خوب از هر یک استاد میخواندند مرزا موصوف فرمودند که استاد من یعنی مرزا باقر مرحوم بهادر جنگ خود نوشته اند که بهتر ازیں رباعی ممکن نیست ۔

مجنوں بہوائے روئے لیلیٰ در دشت　　در دشت بجست و جوئے لیلیٰ می گشت
می گشت ہمیشہ بر زبانش لیلیٰ　　لیلیٰ می گذشت تا زبانش می گشت

گفتم واقعی رباعی بسیار نادرست لیکن دو جا قافیہ می گشت بر یک معنی نشست یافته معنی دیگر در عقل نمی آید سبب چیست چوں ہمہ صاحبان غور فرمودند معنی دیگر سوائے گردیدن از می گشت پیدا نشد بندہ گفت که یک جا معنی می گشت گردیدن ست و بجائے دوم شاید مراد این ست یعنی تا که با قید حیات بود این را شنیده ہمہ صاحبان پسند فرمودند بعد ازاں بندہ بقدر حوصلہ خود بدیہہ ایں رباعی در زبان ہندی بہمان طرز عرض کردم لیکن درآں مضمون لیلیٰ و مجنوں بود و بندہ مضمون شیریں و فرہاد بستہ

فرہاد کو شیریں جو بہت آتی یاد　　یاد اُسکی میں اپنے دل کو رکھتا وہ شاد
شاد اُسکا ہمیشہ ذکر رکھتا اُسکو　　اُس کو کر یاد شاد رہتا فرہاد

بعد استماع ایں حاضران مجلس مجوز ایں امر گشتند که چند رباعی دیگر از مشق سابق باید خواند بپاس خاطر آنہا ایں چند رباعی خواندم ۔

رنگین اک وضع پر گذارا نہ ہوا　　گذرا جو کچھ وہ پھر دوبارا نہ ہوا
چاہا ہم نے بہت نہ چاہا اُس نے　　چاہا اُس کا ہوا ہمارا نہ ہوا

دیگر

رنگیں نیکی سے ہاتھ ہم نے دھویا　　اور تخم بدی کو کشت دل میں بویا
جو عہد کر آئے تھے وہ ہم سے نہ نبھا　　افسوس کہ زندگی کو یونہیں کھویا

دیگر

زاہد کہتا ہے بت پرستی کو چھوڑ　　راہب کہتا ہے دل سے مستی کو چھوڑ
رنگیں کہتا ہے تو نہ سن دونوں کی　　تجھ سے جو ہو سکے تو ہستی کو چھوڑ

دیگر

رنگیں دل کس طرح کسی کو دیجے　　اور ہاتھ میں کیونکہ دل کسی کا لیجے
ہرگز نہیں دنیا میں کسی کا کوئی　　کس کے ہو رہیے کس کو اپنا کیجے

دیگر

رنگیں کوشش میں تو نے تقصیر نہ کی　　وہ کام نہیں کہ جس کی تدبیر نہ کی
لیکن افسوس ہے کہ ناداں تو نے　　کچھ خانۂ آخرت کی تعمیر نہ کی

دیگر

اے موجب عیش و کامرانی پھر آ　　اے باعث لطف زندگانی پھر آ
میں ہوں بن تیرے چشم خوباں میں ذلیل　　پھر آ تو اے مری جوانی پھر آ

مجلس پنجم

در شاہجہان آباد روزے بخانہ برادر صاحب نواب بہادر بیگ خاں کہ غائب

تخلص میفرمایند وارد شدیم اوشان غزل خود روبروے بندہ خواندند حسن مطلعش این بود

سینے کے بند وا کر ساغر کو تو پیا کر   عالم شراب کا ہے اور بے حجابیاں ہیں

بندہ را ایں شعر بسیار پسند آمد بہ بہ در جواب ایں مطلع عرض کردم و در مقطع مصرع او

اوشان تضمین نمودم ؎

کس مست کی نگہ کی یہ بد شرابیاں ہیں   اوندھے پڑے ہیں ساغر ٹوٹی گلابیاں ہیں

بوسے چمٹ کے لے لے رنگیں بقول غالب   عالم شراب کا ہے اور بے حجابیاں ہیں

شخصے از حاضران مجلس گفت کہ مضمون مطلع بعینہ مطلع مرزا رفیع است گفتم کدام است

ایں مطلع خواند ؎

ساقی چمن میں کس کی ہیں یہ بد شرابیاں   ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

گفتم سوائے قافیہ مضمون دیگر نیست و بر قافیہ حکومت کسے پیش نمیرود سرقہ ایں را

میگویند کہ حضرت مرزا رفیع فرمودہ اند شعر فارسی از کدام استاد ایں بود ؎

بہار بے سپر جام یار می گذرد   نسیم ہمچو خدنگ از کنار می گذرد

آں را اوشاں ایں قسم فرمودہ اند ؎

بہار بے سپر جام یار گذرے ہے   نسیم تیر سی چھاتی کے پار گذرے ہے

و شعر دیگر از کدام استاد ایں بود ؎

آلودہ رقطرات عرق دیدہ جبیں را   اختر ز فلک می نگرد روے زمیں را

آں را اوشاں ایں طور فرمودہ اند ؎

آلودۂ قطرات عرق دیکھ جبیں کو — اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک پہ سے زمیں کو

ایں را شنیدہ خجالت کشیدہ عذرہا خواستند۔

مجلس ششم

در شاہجہان آباد چھوٹے خاں کہ آشفتہ تخلص میفرمایند و مہربان بندہ اند۔ روزے غزل خود روبروے بندہ میخواندند و سہ جا دخل گستاخانہ کردم از انجا کہ بسیار منصف اند و تکلف در مزاج ندارند قبول فرمودند حسن مطلع آں غزل ایں بود ؎

پنڈت پوچھو ہاتھ دکھاؤ فال کھلاؤ کوئی پر — بخت جو ہوں برگشتہ اپنے کس کے پھیرے پھرتے ہیں

گفتم در مصرع اول لفظ کوئی پر بے مصرف است اگر ایں قسم فرمایند بہتر باشد ؎

پنڈت پوچھو ہاتھ دکھاؤ فال کھلاؤ حاصل کیا — بخت جو ہوں برگشتہ اپنے کس کے پھیرے پھرتے ہیں

و مقطع ایں بود ؎

جوگ تجا آشفتہ ہمنے دیکھ لٹک ان زلفوں کی — خوار و پریشاں گلیوں گلیوں بال بکھیرے پھرتے ہیں

اظہار کردم کہ از لفظ جوگ تجا شعر بے معنی می شود بسبب اینکہ تجا بمعنی گذاشتن است پس اگر جوگ را گذاشتند از کدام چیز خوار و پریشاں می گردند باید گفت کہ ؎

جوگ سجا آشفتہ ہمنے دیکھ لٹک ان زلفوں کی — خوار و پریشاں گلیوں گلیوں بال بکھیرے پھرتے ہیں

بسکہ راستی پسند اند و مدام راستی پیشہ اوشان است فرمودند کہ مرا عکس ایں معلوم بود گفتم خیر غرض ہر جا کہ دخل کردم بے قیل و قال از راہ منصفی قبول فرمودند۔

مجلس ہفتم

در شاہجہان آباد یہ محفل پسر حضرت میر سید صاحب مرحوم یعنی میر سید علی کہ شاگرد بندہ اند و غمگین تخلص میفرمایند وارد بودم او شان این مطلع میاں جرأت اخواندند و بہ بندہ فرمودند کہ چیزے بدیہہ بگوئید ؎

گھر جو یاد آیا کسی کا اپنے گھر میں آن کر　　چپکے چپکے روتے ہیں منہ پر دوپٹا تان کر

فی الفور این مطلع و حسن مطلع عرض کردم و بعد چند روز غزل تمام نمودم۔

یوں کہوں اُس کو کہ آیا ہوں جی میں ٹھان کر　　چھین دے مجھ کو کہیں اپنے خدا کو مان کر
بازگشتی تیر ہے پھر کر یہ تیرا دیکھنا　　صدقے تیری اس ادا پر سے مجھے قربان کر
کھوئی غفلت میں جوانی دیکھ پیری میں تو چیت　　صبح صادق ہوگئی چلنے کا کچھ سامان کر
سوچ جی میں میرے ہوتے غیر کو گردن نہ مار　　قتل کرتا ہے تو کر ظالم و لے پہچان کر
دیکھ مجھ کو دور سے دینے لگا تھا گالیاں　　جی میں کیا گذرا تھا کل تیرے ادھر تو دھیان کر
آ جو آنا ہی نہیں آتا تو دے مجھ کو جواب　　کھینچ کر پیغام جھوٹے روز مت حیران کر
دل بغل سے لے گئی رنگین وہ دزدیدہ نگاہ　　ورنہ دل دیتا ہے کون اپنا کسی کو جان کر

مجلس ہشتم

در شاہجہان آباد روزے در دیوان خانہ برادر صاحب مسیح الزمان حکیم محمد اشرف خان کہ حکیم تخلص می فرمایند و بندہ را برادر خواندہ اند حکیم ثناء اللہ خان فراق و اشخاص چند

گرم اختلاط بودیم خاں صاحب موصوف فرمودند کدام غزل بخوانید بموجب ارشاد
ایں غزل خواندم۔

کبھی تم میرے مقتل پر اگر آتے تو کیا ہوتا — اور اس جا اشک آنکھوں میں جو بھر لاتے تو کیا ہوتا
کھلائے پان تم نے غیر کو کل اپنے ہاتھوں سے — جو غیرت کے مارے ہم کچھ کھا کے مر جاتے تو کیا ہوتا
اندھیری رات ہے ساون کی چھاجوں مینھ برستا ہے — اکیلا اسکو ہم اس وقت گر پاتے تو کیا ہوتا
وہ آیا تھا یہاں اے حضرت دل بھول کر شب کو — جو تم اس وقت پہلو سے نہ ٹل جاتے تو کیا ہوتا
وہاں اپنی ہی اپنی پڑ گئی اے ہمدمو جا کر — کوئی مطلب کی میرے بات فرماتے تو کیا ہوتا
نصیحت سے ارے دن ناصح کیا کرتے ہو ناحق تم — اسے بھی ایک دن تم جا کے سمجھاتے تو کیا ہوتا

دلائیں گالیاں غیروں نے لاکھوں تیغ نگہیں کو
بھلا اس وقت وہ جی سے گذر جاتے تو کیا ہوتا

چوں ایں غزل را تمام کردہ ایں حسن مطلع غزل دیگر روبروے اوشاں خواندم۔ مطلع

تیرے گل تکیوں کے خاطر یہی لازم ہے کہ ہو — ایک تو شمس کا اور ایک قمر کا تکیہ

ثناء اللہ خاں صاحب فرمودند کہ بعینہ شعر من سرقہ کردی گفتم ارشاد شود ایں شعر خواندند مطلع

تیرے گل تکیوں کی خاطر تو اب اے احسن خاں
یہ مناسب ہے کہ ہو شمس و قمر کا تکیہ

عرض کردم کہ بندہ شعر آں قبلہ نشنیدہ بود توارد شدہ است لیکن ایں شعر بندہ بہتر است
چونکہ کمال منصف اند فرمودند بجا ست۔

مجلس نہم

در شاہجہان آباد روزے بسنت سنگھ کہ نشاط تخلص می فرمایند و شاگرد بندہ اند
نزد بندہ آمدہ این مطلع حضرت میر تقی صاحب خواندند۔ ؎

یوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں — خوش نہ آئی یہ تیری چال ہمیں

و اظہار نمودند کہ جواب این بندہ ہم غزل گفتہ مطلعش این است۔ ؎

گھر سے اپنے نہ تو نکال ہمیں — یوں جو چاہے تو مار ڈال ہمیں

گفتم بسیار خوب مطلع ست درین اثنا آدم بیگم صاحب کہ ننھی تخلص می نمایند و از بندہ اصلاح
میگیرند آمدہ کاغذ بدست بندہ داد و دران این غزل برائے اصلاح نوشتہ بودند

ملتا ہی نہیں سراغ دل کا — ہے عرش پہ اب دماغ دل کا
گر عشق میں بیکلی نہ ہوئے — سرسبز رہے یہ باغ دل کا
یہاں آتش ہجر سے شب و روز — دہکے ہے پڑا وہ داغ دل کا
ہے بادۂ غم سے تیرے ظالم — لبریز مرا ایاغ دل کا
ہے ننھی ستمات سے تو غمگیں — بخشے تجھے حق فراغ دل کا

و بعد غزل نوشتہ بودند کہ امروز اینجا بندہ این مطلع انشاء اللہ خان را بر یک کتاب نوشتہ دیدہ بودم ؎

کیا فائدہ خالی جو ملاقات کی ٹھہرے — تب خوش ہو مرا دل کہ جب آپس بات کی ٹھہرے

اینجا بندہ در جواب این مطلع گفتہ است ؎

خالی ہی اگر اُس سے ملاقات کی ٹھہرے کافر ہو جو پھر چاہے کہ اُس بات کی ٹھہرے
پس لازم کہ اصلاح نمودہ درجواب غزل و مطلع آں صاحب ہم فکر نمودہ بزنگار ند بندہ
فی الفور بر پشت ہماں کاغذ ایں غزل نوشت ـ

تا حشر رہے یہ داغ دل کا | یا رب نہ بجھے چراغ دل کا
ہم سے بھی تنک مزاج ہے یہ | پاتے ہی نہیں دماغ دل کا
اُس رشک چمن کی یاد میں ہے | شاداب ہمیشہ باغ دل کا
جینے کی جہاں میں اسکو لذت | جس شخص کو ہو فراغ دل کا
معلوم نہیں کسی کو رنگیں | دے کون ہمیں سراغ دل کا

درجواب مطلع ایں قطعہ نوشتم ـ

اک غرفہ نشیں دیکھ کہا دل نے کہ رنگیں | کیا خوب ہو گر اس سے اشارات کی ٹھہرے
نوبت جو اشارات تلک پہنچی تو وہ یاں | اُسنے یہ کہا حرف و حکایات کی ٹھہرے
جب حرف و حکایات بہم ہونے لگے خوب | بولا کہ کسی طرح ملاقات کی ٹھہرے
مدت میں ملاقات میسر جو ہوئی ہے | اب دل یہی کہتا ہو کہ اُس بات کی ٹھہرے

مجلس دہم

درشاہجہاں آباد روزے بخانۂ میرزا سبحان قلی بیگ راغب رفتم بمجرد رسیدن بندہ
فرمودند کہ دیروز شخصے یک نقل رو بروے اینجانب کردہ بود تمام شب در فکر نظم آں بودم

اتفاق نشد گفتم نثر آں ارشاد شود نقل کردند کہ یک شخص رند مشرب بسیار مفلس بود روزے بز شخصے را ذبح کردہ خورد یکے از دوستان او گفت کہ شرم از خدا و ترس از روز جزا نداری فردائے قیامت چہ جواب خواہی داد گفت منکر خواہم شد مالک بز در انجا شاہد از کجا خواہد آورد کہ مرا دروغ گو خواہد کرد آں شخص گفت کہ مالک بز از تو درخواست بز خواہد کرد و بز حاضر شدہ از زبان خود اقرار خواہد کرد کہ مرا ذبح کردہ بود مرد رند گفت ہر گاہ کہ مالک بز دعوی بز خواہد کرد و بز حاضر خواہد بود پس چہ غم ست گوش بز گرفتہ بدست مالک آں خواہم سپرد و خواہم گفت کہ مال خود بگیرید ہر گاہ ایں نقل تمام شد گفتم واقعی قابل نظم کردن ست و دوات و قلم و کاغذ حاضر بود در عرصہ سہ چہار گھڑی ایں قسم نظم کردم —

شخص تھے اک رند وضع لیاقت سے مفلس کمال　　کھا گئے وہ ایک کی بکری کو کر کے حلال

انکے جو رنگیں تھے یار اُسکے اُنہوں نے کہا　　سنتے ہو اے مہرباں تم کو یہ لازم نہ تھا

رندوں کے مشرب میں خوب ہی تم چھا گئے　　مال تھا بیگانہ وہ کیوں اُسے تم کھا گئے

خوف قیامت کا کچھ رکھتے نہیں آہ تم　　روز جزا سے کہو کیا نہیں آگاہ تم

روز قیامت کو جب ہونے لگیگا حساب　　مجھ کو بتاؤ تو کیا دوگے تم اسکا جواب

سُن کے وہ بولا کہ یار میں تو مکر جاؤنگا　　اور مکر کر دہیں جھوٹی قسم کھاؤنگا

کون بھلا اُسکا وہاں ہوویگا شاہد کہاں　　جھوٹا کریگا وہ شخص مجھکو بھلا کیونکہ وہاں

اُسنے کہا سُن لے کھو بکری ہی وہاں آئیگی　　حال کہے گی وہ سب اور تمہیں مکرائیگی

پھر وہ کہیگی یہی میں تو نہ تھی تیرا مال — تو نے بھلا کس لئے مجکو کیا تھا حلال
اُسکا جو مالک ہے وہاں وہ بھی کھڑا ہوویگا — مانگیگا تم سے اُسے اور کڑا ہوویگا
بولے جو اس بات میں ہو نہیں کچھ بیش و کم — تو تو پھر اس بات کا کیجیے ہرگز نہ غم
کیونکہ جو مالک کے پاس ہوویگی بکری کھڑی — تو تو مصیبت نہ کچھ مجھ پہ پڑیگی بڑی
بکری کے دونوں جھپٹ کان پکڑ لونگا میں — ہاتھ میں مالک کے بس جلدی سے پھر دونگا میں
اور یہ کہونگا کہ یہ حق ترا پہنچا تجھے — ہان بس اللہ کو پھر نہ ستانا مجھے

مجلس یازدہم

در شاہجہان آباد بخانۂ مرزا سبحان قلی بیگ راغب بندہ و دو سہ شخص دیگر نشستہ بودیم یکے گفت کہ شعر صاف و دیگرے اظہار کرد کہ شعر تلاش وتہ دار و دقیق معنی دار خوب میباشد و بندہ را منصف نمودند گفتم کہ اکثر در تذکرہ ہا دیدہ ام قدما تعریف شعر صاف نوشتہ اند این شعر خاقانی و حضرت شیخ سعدی شیرازی کہ مکرر در تذکرہ ہا دیدہ بودم عرض نمودم ــــ

همسایہ شنید نالہ ام گفت — خاقانی را دگر شب آمد
سعدی از داغ جگر بینہ بکش — کشتا رو زن آتشکدہ را

و اظہار نمودم کہ انتہاے شعر اینست کہ صاف باشد چرا کہ عام فہم و خاص پسند میشود سواے این در شعر صاف غلطی محاورہ و اصطلاح و بیمعنی نہ میگردد بسبب اینکہ فہم

هر کس معنی شعر بآسانی می آید آنچه در آں خوبی و قباحت می باشد جلد دریافت میگردد
آنجاست که شعر صاف گفتن دشوار است و در شعر دقیق که قباحت می آید مردم عام قصور
فہم خود دانستہ بپرسیدن مدعا خاموش میمانند و مردم خاص از شبہہ می دانند کہ بجاے
خود استعارہ کردہ خصوصاً در شعر ہندی کہ دقیق باشد بمردم فہمیدہ جلد قباحت دریافت
نہ می شود وجہ ایں کہ دریں زبان کار لغات نیست شعر صاف ضرور است حاضران مجلس
فرمودند کہ کدام غزل صاف بخوانید تا از آں معائنہ شود ایں غزل خواندم۔

عشق میں تیرے میرا رنگ زعفرانی ہے
ضعف ہے رفیق اپنا یار ناتوانی ہے

کس سے میں کہوں یہ بات دل نہیں ملا ہیہات
اُس گلی میں ساری رات خاک میں نے چھانی ہے

آئیگا وہ یہاں شب کو مجھے تو کیسے سہے جو
نامہ بر قسم کہا تو اُس کی یہ زبانی ہے

دیکھیو یہ قامت ہے یا بلا ہے آفت ہے
قد نہیں قیامت ہے قہر آسمانی ہے

کہہ چکا ہوں میں سو بار یار و مت کرو تکرار
اُسکی ابروے خمدار تیغ اصفہانی ہے

یوں کہے ہے وہ بیڈھنگ تیغ کو چڑھا کر سنگ
کیجیے تجھے چورنگ اب یہ جی میں ٹھانی ہے

ہمنشیں نہ کر تاخیر جلد کر مری تدبیر
ہے جنوں گریباں گیر عالم جوانی ہے

کب تلک رہوں جیتا اُس بن آہ دل جلکر
زندگی ہوا اپنی خاک زندگانی ہے

سُن کے اُسنے رنگیں آہ تیرا قصہ جانکاہ
ہلتے سکے یوں کہا لے واہ زور یہ کہانی ہے

مرزا سبحان قلی بیگ فرمودند کہ دریں ایام در شاہجہان آباد بلکہ در دیگر جاہا نیز رایہ میان نعیم

صاحب کسے شعر ہندی تہ دارد دقیق و مشکل نمیگوید گفتم بلے دریں کار یگانہ زمان و بے
بدل روزگار ند فرمودند کہ مطلع اوشان میخوانم چیزے قباحت اگر بخوانند برآرند گفتم مشق
اوشاں ایں قسم نیست کہ دراں جائے سخن باشد و سوائے ایں در خدمت اوشاں بندگی
دارم چوں اوشاں قسم دادہ ایں مطلع خواندند۔ ؎

چرائی چادر مہتاب شب میکش نے جیحوں پہ کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پہ

ناچار شدہ گفتم کہ ایں مطلع بہ از مطلع آفتاب ست لیکن مرا دریں تامل ست کہ چادر مہتاب را
میکش بر جیحوں چگونہ دزدید اگر بجائے میکش لفظ بادل میبود البتہ بہتر بود۔ ؎

چرائی چادر مہتاب شب بادل نے جیحوں پہ کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پہ

سبب ایں ست کہ ہر گاہ ابر بر ماہ می آید البتہ چادر مہتاب نمی ماند گویا دزدیدہ میشود
بطور لطیفہ عرض کردم مضمون از عالم بالا و دزد بر زمین یعنی چہ قصہ زمین بر سر زمین
مضمون عالم بالا را دزد ہم آسمانی بایستے شخصے ایں سخن میاں نصیر صاحب سانیدہ
اوشاں شنیدہ از بندہ آزردہ خاطر شدند بالیسے بہزار خرابی در چند بیت تصفیہ نمودم

مجلس ۱۲ دوازدہم

درشاہجہاں آباد سید احمد میر خاں کہ صوبہ دار بودند بر بندہ کمال تفضلات میفرمودند
روزے در خلوت اتفاق شعر خوانی بود فرمودند کہ شخصے شعر مرزا جلال اسیر را خواندہ بود
مصرع اول از خاطر رفتہ عرض کردم مصرع آخر از شاہ شود فرمودند۔۔

از قضا ایں قدر نہ می آید

بمجرد شنیدن عرض کردم۔

دلبر من بسر نہ می آید　　از قضا ایں قدر نہ می آید

بعد عرض کردن بندہ فرمودند کہ حالا یاد آمد مصرع اوشان ایں بود۔ ؎

دلستانم بسر نہ می آید　　از قضا ایں قدر نہ می آید

عرض کردم کہ بجدا ٓنجناب و بہ کلام اللہ قسم ست کہ اگر از کسے شنیدہ باشم یا بجائے نوشتہ از نظر گذشتہ باشد فرمودند کہ اگرچہ مضمون توارد ست لیکن تکلف ایں لفظ کہ دلبر گفتہ اند برائے لفظ راتو دلستاں خوب ست آفریں صد آفریں عرض کردم کہ از راہ پرورش ارشاد میشود۔

مجلس[۱۳] سیزدہم

در سہارنپور برفاقت نواب غلام قادر خاں بودم نواب موصوف در عالم طفولیت با بندہ دستار بدل شدہ بودند شعر ہندی خوب میفرمودند تخلص فرخ میفرمودند در ابتدا بندہ را شوق شعر خوانی و شعر گوئی از صحبت اوشاں شدہ بود مرزا عبدالکریم بیگ کہ مردم کاشغر و اتالیق اوشاں بودند روزے ایں مطلع غنی کشمیری را خواندند۔ ؎

درون آشیاں از بیضہ تا من سر برآوردم　　ز تیر غمزہ بیداد خوباں پر برآوردم

گفتم مرزا صاحب در شعر استاداں دخل بیجا کردن بیجا ست لیکن حرف خوب بخاطر گذشتہ فرمودند ارشاد شود گفتم۔ ؎

درون آشیاں از بیضہ تا من سر برآوردم　　ز تیر غمزہ بیداد کیشاں پر برآوردم

لفظ کیشاں برائے تیر غمزہ پر مناسب ست از اینجا کہ مرزائے موصوف بر بندہ مہربانی فرمودند بسیار پسند فرمودند۔

مجلس[14] چہاردہم

در پرگنہ نہ بندہ و محمد خاں صاحب کہ بہار تخلص می فرمایند و پسر عمو صاحب مراد بیگ خاں یک جا با چند کس نشستہ بودیم ذکر بدیہہ گوئی بمیاں آمد شخصے گفت کہ بدیہہ گفتن امر دشوار ست برادر موصوف فرمودند کہ سعادت یار خاں در بدیہہ گوئی دستگاہ خوب دارند آں شخص گفت کہ بارے مصرع ثانی ایں ہم رسانید

ع۔ راز دل را بکس نباید گفت

شخص مذکور ہنوز تمام نہ کردہ بود کہ جواب دادم۔

گر بود ہمنفس نباید گفت   راز دل را بکس نباید گفت

مجلس[15] پانزدہم

در فیروزپور جھرکہ بندہ و مصطفیٰ خاں پسر مراد بیگ خاں و دیگر چند مغل قزلباش باہم نشستہ بودیم یکے از آنہا کہ علی رضا بیگ نام داشت مرد اصفہانی بود شعرہا استادان بسیار یاد داشت از کنایہ بہ بندہ گفت کہ یک شعر خوب از استادی یاد آمدہ ست یک مصرع آں میخوانم آنجناب ہم شعر میگویند بارے مصرع ثانی برائے آں بفرمایند

مصرع اولش ایں ست۔

چہ می پرسی ز من حالِ دل غمدیدہ ات چوں شد

گفتم در فارسی دستگاہ چنداں ندارم مصرعہ بدیہہ نتوانم کہ بہم رسانم لیکن ایں قدر چیستی کہ مصرع اُستاد داشتہ باشد معلوم گفت ثانی قدر حال خود چیزے ارشاد شود کہ مدعا از امتحان ست گفتم۔ ؎

چہ می پرسی ز من حالِ دلِ غمدیدہ ات چوں شد

بہ شوق فندق پایت سرشک دیدہ ام خوں شد

گفت بارک اللہ بدیہہ خوب ارشاد گردید اگرچہ اُستاد مصرع ثانی بسیار عمدہ دارد لیکن بخونِ جگر بہم رسانیدہ باشد و آں صاحب فوراً ارشاد کردند گفتم مصرع ثانی اُستاد ہم ارشاد شود تا حظے ببرم گفت۔ ؎

چہ می پرسی ز من حالِ دل غمدیدہ ات چوں شد

دلم خوں گشت و خونم آب و آب از دیدہ بیروں شد

گفتم واقعی مصرع ثانی لاثانی ست گفت از مشق سابق خود کدام غزل فارسی بخوانید ایں غزل خواندم۔

ہر زماں چوں پری رخساری خواہد دلم	چوں می خواہد دل و دلداری خواہد دلم
تا ز اُستادِ محبت درس عشق آموختم	سنگِ طفلاں بر سر بازاری خواہد دلم
چشم زخمے چوں جگر ہرگز ندارد آرزو	زخمہا زاں ابروِ خمدار می خواہد دلم

تا ز رمزِ قصهٔ فرہاد و قیس آگاه گشت | دشت خار و دامن کہسار می خواہد دلم
شوخ گفت از ناز می‌خواہد دلت چندان مرا | گفتمش اے دلربا بسیار می خواہد دلم
تا کہ آگہ از کمال زاہد و راہب شدم | رشتهٔ از سبحه و زنار می خواہد دلم

گرد خوں رنگیں دلم را مصرع اُستادہ

یار می خواہد دلم چوں یار می خواہد دلم

مجلس [۱۶] شانزدہم

در پرگنه باول کہ سنہ ہشتاد و چہار [۸۴] دہ در جاگیر قبلہ گاہ صاحب بود وارد بودم و بر دختر قصاب آنجا بقول سعدی یعنی در ایام جوانی چنانکہ افتد و دانی حالت عشق داشتم چوں بعد چندے وصل آں میسر آمد اصلا شہوت نشد سبب اینکہ او بار چہارے آں بوسے بجیدی می آمد کہ در نوشتن نمی آید ہر چند تردد کردم چیزے بہ عمل نیامد فی الفور این مطلع گفتم۔ ؎

ہست بدل بس کنم و کنم | لیک چہ یار نمی دہد چوں کنم

مجلس [۱۷] ہفدہم

در کانوڈ برفاقت نواب نجف قلی خاں بودم نواب موصوف مرزا جعفر را بہ شاہجہان آباد رخصت فرمودند بندہ را مع دو صد سوار ہمراہ ایشاں نمودند چوں

به شہر ریواڑی رسید ندراجه آنجا که سترسین نام داشت بکمال تیاری ضیافت کرد بعد فراغت طعام صحبت رقص شد نواب مرزا جعفر فرمایش کردند که کدام غزل بخوانید رقاصه این غزل نواب وزیر الممالک آصف الدوله خواند ؎

جہاں تیغ اُس کی علم دیکھتے ہیں
وہاں اپنا سر ہم قلم دیکھتے ہیں

یکے از مصاحبان اوشاں گفت کہ این مطلع محمد امان خان نثار درین زمین خوب ست ؎

جدھر پھر نظر یہ صنم دیکھتے ہیں
اُدھر لاش پر لاش ہم دیکھتے ہیں

شخصے دیگر گفت کہ برین مطلع مرزا رفیع ہم خوب ست ؎

گدا دست اہل کرم دیکھتے ہیں
ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں

مطلع شخصے دیگر خواند ؎

تجھے کفش پہنے جو ہم دیکھتے ہیں
تو دشمن کو زیر قدم دیکھتے ہیں

نواب موصوف به بنده فرمودند ایشاں ہم برین فکر نمایید عرض کردم که این وقت طبع بطرف رقص مائل ست فرمودند عذر بیجاست رقص را موقوف کنانیدند ناچار این غزل نوشتم ؎

رقیبوں سے اُسکو بہم دیکھتے ہیں
یہ ظلم اپنی آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں

لگانے بھی دے ہاتھ ابرو کو اپنے
ہم اس اصفہانی کا خم دیکھتے ہیں

نہیں ہم سے وہ دل رہا اب تمہارا
وہ باتیں بہت اب تو کم دیکھتے ہیں

جو ملتا ہو اُس سبزہ خط سے ہم اُسکا
قلم کی طرح سر قلم دیکھتے ہیں

بتوں کا ہمیں ظلم بھاتا ہے ناصح
ستم اُن سے گو دمبدم دیکھتے ہیں

جلو مت عبث تم بھلا پھر تمہاں کیا
جو کچھ دیکھتے ہیں سو ہم دیکھتے ہیں

کبھی وصل کی شب کا تھا دید رنگیں
جن آنکھوں سے اب یہ ستم دیکھتے ہیں

مجلس سیزدہم

در لشکر نارنول نواب اسمٰعیل خاں بہادر فرود آمدہ بودند بندہ برفاقت او شاں بود روزے برادر محمد یار خاں و بندہ برائے سیر و زیارت درگاہ نظام الدین نارنولی سوار شدیم در راہ شخصے از برادر مذکور آشنائی داشت دو چار شد گفت کہ در اجمیر ذکر آں اقصاب شنیدہ مشتاق ملاقات بودم بہ حسب اتفاق ملاقات میسر آمد فرمایشے دارم کہ بجا آرید گفتم بچشم گفت کہ مصرع نواب آصف الدولہ شنیدم امید مصرع دگر دارم از کسے جائم نہ رسیدہ گفتم بخوانید گفت ع

نہ لگی آنکھ جب سے آنکھ لگی

بعد یک ساعت مصرع بہم رسانیدم۔

اب کی کچھ اور ڈھب سے آنکھ لگی
نہ لگی آنکھ جب سے آنکھ لگی

ایں را شنیدہ بسیار پسند کردہ اظہار نمود کہ چیزے از مشق قدیم باید خواند ایں چند مطلع کہ سر دستہ یاد بودند در عین رواروی بر زبان آوردم۔

جو نالہ رات کو لب سے نہ ہٹ گیا ہوتا — تو ساتھ آہ کے سینہ بھی پھٹ گیا ہوتا

تو جو کہتا ہے کہ گھر جائیں گے ہم — تیرا کیا جائیگا مر جائینگے ہم

آج تجھ بغیر ظلمت دل اجاڑ رہنے سے — چھاتی پہ رات بھر کی کالا پہاڑ تھا

بنیگی صحبت اُس سے کس طرح کچھ کہہ نہیں سکتے — وہ ہرجائی ہے اور بن شغل ہم بھی رہ نہیں سکتے

بولنے کی شہر میں یا ہم سے وہ دہائی پھر گئی — تیرے پھر جاتے ہی بس ساری خدائی پھر گئی

وہاں تو وہ گھر سے کم نکلتا ہے — اور یہاں اپنا دم نکلتا ہے

آہ کیجے تو آن جاتی ہے — جو نہ کیجے تو جان جاتی ہے

مجلس ۱۹ نوزدہم

در سہج پور حسب اتفاق بندہ و محمد یار بیگ سائل کہ بعد منعم تخلص میفرمودند نشستہ بودیم و صحبت شعر گرم بود بندہ این مطلع خواند ــ

یوں سرِ شکِ مژہ اشام و سحر جھڑتے ہیں — شاخ پر میوے سے جس طرح ثمر جھڑتے ہیں

محمد یار بیگ سائل اظہار کردند کہ مضمون منست گفتم شعر خود بخوانید این شعر خواندند

شاخ کو کوئی ہلاوے تو ثمر جھڑتے ہیں — اپنی ہر جنبش مژگاں سے گہر جھڑتے ہیں

گفتم بندش شعر بندہ معقول ست سبب این کہ از ہر شاخ ثمر نمیریزد مگر ہر شاخ کہ پر میوہ باشد انصاف شرط ست ہرگاہ کہ قائل شدند مطابق آں این نقل روبروے اوشاں کردم کہ بندہ این شعر گفتہ بود

مجھے جو اس پری رو نے طلبگار اپنا جانا ہے — چھڑک کر کیوں نہ بیچے اب خریدار اپنا جانا ہے

شخصے بہ بندہ گفت کہ این مضمون را انشاء اللہ خاں دانستہ این قسم بستہ اند

دل کو رکھ کر پنجۂ مژگان تر پہ بیچیے — یعنی اپنا مال ہے اس کو چھڑک کر بیچیے

گفتم از بندش بندہ بندش اوشاں خوب ست سبب اینکہ برائے لفظ پاشیدن آب یعنی چھڑک لفظ پنجۂ مژگاں نیز بسیار مناسب بدست آمدہ است از حق نباید گذشت پس ضرور ست کہ از ہر کس مضمون بستہ شود تا کہ آں ہمانست خواہ توارد باشد خواہ مستفد

مجلس ہشتم

در حضرت اجمیر روزے نواب قدرۃ اللہ خاں پسر نواب قاسم خاں این مطلع شیخ سعدی را در بروے بندہ خواندند۔

سرو سیمینا بہ صحرا میروی — نیک بد عہدی کہ بے ما میروی

از راه اختلاط گفتم کہ اگرچہ بے ادبی ست لیکن حرف خوب بخاطر گذشتہ است۔

سرو سیمینا بہ گلشن می روی — نیک بد عہدی کہ بے من میروی

دراں مجلس مغل تازہ ولایت کہ چنداں از ذائقہ شعر آگاہی نداشت و از شعر گفتن بندہ نیز اطلاع نداشت گفت کہ امروز دریافت شد کہ آں صاحب شعر ہم می گویند بارے کدام غزل فارسی از تصنیف خود بخوانید ایں غزل خواندم

دوست یکسو خود ز دشمن کیں نمیخواہیم ما — خاطرے از ما برنجد ایں نمیخواہیم ما

کوچۂ دلدار ما را بہر آسایش بس ست — کشور ایران و ملک چیں نمیخواہیم ما

مژدہ بادا اے زاہد و راہب کہ از روز ازل — بندۂ عشقیم و کفر و دیں نمیخواہیم ما

رہروان منزل عشقیم و در سطے گردش — تو سن گردون چو ں را زیں نمیخواہیم ما

جامۂ عریانی ما فخر صوف و اطلس ست
زینت از بہر خود اے رنگیں نمیخواہیم ما

ایں را شنیدہ مجوز شد کہ غزل دیگر بخوانید ناچار بپاس خاطر یاراں چند شعر دیگر خواندیم

دل بلائیست کہ من میدانم — مبتلائیست کہ من میدانم

کس چہ داند کہ میان من و او — ماجرائیست کہ من میدانم

نقش آب است بنائے ہستی — ایں بنائیست کہ من میدانم

دلبرے عشوہ گرے کجکلہے — میرزائیست کہ من میدانم

در حق مغبچگاں پیر مغاں — پیشوائیست کہ من میدانم

چشم میگونش ادلے دارد | چہ ادائیست کہ من میدانم
نیست آسان گذر از دہر کہن | تنگنائیست کہ من میدانم
خاکساری بجہان اے رنگین | کیمیائیست کہ من میدانم

مجلس بست و یکم[۱۱]

در کابل شاہ تیمور شاہ در ۱۲۰۰ دوازدہ صد و سہ ہجری اسد یار خان درانی را کہ مالک سوبک و دستہ یعنی دوازدہ ہزار سوار بود و قابلیت و دانائی از حد زیادہ داشت ایلچی کردہ مع تحفہ و تحائف آنجا نزد پادشاہ عالم شاہ فرستاد خان موصوف بعد از ملازمت حضور چند ماہ در شاہجہان آباد ماندہ رخصت کابل خواست پادشاہ والد بندہ را مع تحفجات این ملک ایلچی فرمودہ ہمراہ مشار الیہ رخصت فرمودند بندہ برادر محمد یار خان و حق وردی خان و خدا وردی خان نیز ہمراہ روانہ شدیم لیکن از حضور پادشاہ ارشاد شد کہ نزد وکیل مطلق یعنی پٹیل صاحب کہ از دو لاک سوار ہم راجہ بود در پیش وارد شدہ بروند و مہاراجہ پٹیل بہادر حکم حضور رسید کہ باید دولت طہماس بیگ خان را نزد شاہ تیمور شاہ روانہ فرمودیم آنچہ از باب دیگر در کار داشتہ باشند سر انجام کردہ دہند ہر گاہ از شاہجہان آباد روانہ شدہ بہ نواح گوالیاری رسیدیم تمام ملک از تاخت مرہٹہا بے چراغ شدہ بود ہزار ہا سوار مرہٹہا قزاقی می کرد روزی اسد خان بہ والد بندہ گفت کہ در راہ خطرہ بسیار است لازم کہ از راجہ این ملک مردم بطریق بدرقہ ہمراہ

باید گرفت بنده اظهار کرد که جمعیت مایان هم کم نیست احسان ناحق برداشتن
چه ضرور خان موصوف بر آمد سخن این شعر خواند ؎

بے پیر مرو تو در خرابات ہر چند سکندر زمانی

حاصل ازین شعر بود یعنی در راه مخاطره بے بدرقه رفتن از دانائی بعید ست بنده گفت
که لفظ خرابات درین مقام بے مصرف ست اگر این قسم بخوانند بهتر باشد ؎

بے پیر مرو براه ظلمات ہر چند سکندر زمانی

لفظ ظلمات ازین سبب مناسب ست که هر گاه سکندر قصد ظلمات کرد فرمود که
مرد پیر همراه نرود جوانے از پدر پیر خود عشق داشت پدر را در صندوق کرده همراه
برد چون نزد ظلمات رسیده پادشاه حیران شد که هر گاه در تاریکی رفتم چگونه از همان
راه خواهم گشت هر کسے تدبیر آن بقدر حوصله خود عرض میکرد تشفی پادشاه نمی شد
مرد جوان صورت حال رو بروئے پدر بیان کرد پیر تدبیرے آموخت که پسند پادشاه
آمد و از آن راہے یافت پس اگر شاعر درین مقام لفظ ظلمات بجاے خرابات می نوشت
خوب می کرد و نیز لفظ ظلمات براے سکندر پر مناسب ست اسد الله خان بسیار پسند کرده فرمودند

مجلس بست و دوم

در گوالیار هند و راؤ مرهٹا یک کمپو که عبارت از هفت هشت هزار سپاهی ست
به برادر صوفی الله یار بیگ خان داده بود و یک ساله سواران همراه بنده بود و مرزا کلو بیگ

که شور تخلص میفرمودند با بنده بسیار ربط دوستی میداشتند و از باعث زور طبیعت کسے را بخاطر نمی آوردند و در یک زمین غزل ده پانزده میگفتند و گاہے بپاس خاطر و گاه از ته دل اصلاح یک دو غزل میگرفتند لیکن اکثر جا از راه زبردستی و سخن‌سنجی سخن معقول را ہم قبول نمیفرمودند روزے در درگاه محمد غوث گوالیری نزد بنده نشسته بودند پنج شش غزل خود بکمال آب و تاب خوانده فرمودند که غزلہا را ہمین وقت گفته آورده‌ام و اگر بخواہم ہشت غزل دیگر ہمین قسم بگویم گفتم درست ارشاد میشود لیکن غزل مشکل اگر در یک سال ہم شود کمال غنیمت ست شرطیکه مشکل باشد و خوب شود و بنده یک غزل بقید حروف که از الف تا یاست در سه ماه بہزار خرابی باتمام رسانیده ام فرمودند که اینجا ب در سه گھڑی در جواب آں غزل نوشته میدہم گفتم اگر در سه سال جواب آں غزل نویسانید دہند بنده شاگردی قبول کند گفتند بخوانید من ایں غزل را خواندم۔

اکڑ آفت کلیجو کا بل پری پٹکا قبا خاصی　　تبر تختہ ٹھمک ٹھوکر ٹینا ثابت حیا خاصی
جبیں جادو چلاوا اچھل حیا حیرت تجستہ خو　　دھواں دندان فو کا ذائقی رسیلا رخ صفا خاصی
زنخ زیبا ستم سینہ شرر شوخی صفا صورت　　ضرورت ضد طرح طوفاں ظفر ظالم جفا خاصی
عجب عشوہ غضب غمزہ فسوں فندق قیامت قد　　کمر کافر گلو گلگوں لچک لاکھوں ادا خاصی
مڑی مژگاں نگہ ناوک وفا وہ کچھ ہنسی ہی ہی
یمن یاقوت لب پر صدقے اور نگیں حیا خاصی

بعد شنیدن ایں غزل فرمودند که واقعی بکمال صنعت بطرز گفته اید سخت مشکل ست لیکن

من خواہم گفت بندہ مجبور شد دو چہار گھڑی فکر کردند ہیچ بعمل نیامد مہلت سہ روز خواستہ بجائے خود تشریف بردند بعد پنج شش روز کہ ملاقات شد تقاضا کردم فرمودند کہ از خیال رفتہ بود غرض چند ماہ گذشت ہمیشہ میفرمودند کہ فرصت نیست قصہ کوتہ قریب یک سال گذشت بعد یک سال در جنگ قلعہ چرگانو کہ قریب کالپی ست در حملہ اول بکمال مردانگی شہید شدند کمال تاسف شد حق تعالی غریق رحمت کند۔

مجلس بست و سوم

درکوہ روزے روبروے برادر صوفی اللہ یار بیگ خاں مثنوی پسر تاجر اصفہانی کہ در شاہجہان آباد بموجب فرمایش برادر سبحان قلی بیگ اغب تصنیف نمودہ بودم عرض نمودم بجائے رسیدم کہ پسر تاجر اصفہانی تباہی کشیدہ بنارس رسیدہ در آنجا از سوداگر دیگر ملاقی شد سوداگر مذکور احوال آں پرسید کہ از کجائی و چہ نام داری۔

بگفتا او کہ با ما چیستی تو — چہ نامی و ز کجائی کیستی تو

نخستین نام پاکت نسودہ بر گو — وزاں پس حالت خود سربسر گو

بگفتا مولدم از اصفہان ست — ز نام و جاہ من آگہ جہان ست

عباد اللہ مرزا نام دارم — ہمیشہ با تجارت بود کارم

حساب مال من بیروں ز حد بود — شمار دولتم بیروں ز عد بود

حضرت قبلہ موصوف فرمودند کہ اگرچہ شاعر نیستم لیکن قافیہ یک شعر خوب بخاطر

رسیده عرض کردم ارشاد شود فرمودند که این قسم باید گفت ؎

حسابِ مالِ من بیرون ز حد بود　　　شمار دولتم افزون ز عد بود

عرض کردم که از حق نباید گذشت واللہ بسیار لفظ عمدہ ارشاد شد سبب اینکه شعر و

صنعت پیدا کردیکے اینکہ شعر ذو قافیتین شد و دوم برائے شمار لفظ عد بسیار مناسب

ست ہماں وقت در دیوان نوشتم۔

مجلس بست چہارم

در فرخ آباد مرزا مغل علی خاں و میاں حیدر کہ حیدر تخلص می نمودند و مرزا

بریک جا نشستہ بودم بندہ تعریف شاعری برادر انشاء اللہ خاں نمود و میاں حیدر فرمودند

کہ این جانب در لکھنو رونقے بخدمت اوشاں حاضر گردید عرض کرد کہ چیزے از مشق

خود روبروے آں قبلہ میخوانم بنظر اصلاح باید شنید چنانچہ یک سلام و دو سہ غزل خواندم

چندجا اصلاح فرمودند از خاطر اوشاں امتناع می گفتم لیکن چیزے تشفی نشد چراکہ در دواں نسبت

من بہاں اشعار را جاے دخل نبود گفتم بخیال آں صاحب زیادہ باشد در ہر شعر کہ

اوشاں میفرمودہ باشند پر مناسب خواہد بود بقول سعدی ؎

شعر گفتن بہ زور سفتن بود　　　لیک فہمیدن بار گفتن بود

باز عرض کردم کہ آں صاحب ہماں اشعار را بخوانید در ہر جا کہ اوشاں گرفت سخن کردہ باشند

انشاء اللہ تعالیٰ بندہ ہماں عرض خواہد کرد اول ایں سلام خواندند ؎

اے سعادت یاب درگاہِ خدا لیجو سلام　　بے ضیائے دیدۂ خیر الوریٰ لیجو سلام

اے نبی کے جانِ دل وے فاطمہ کے نورِ عین　　ورشہ دار حضرتِ مشکل کشا لیجو سلام

ہر گاہ بریں شعر رسیدند گفتم در ورشہ دار دخل فرمودہ باشند گفتند بلے پس لفظ ورشہ دار چہ قباحت دارد گفتم ورشہ دار آں را میگویند کہ نزد ہر کس اسباب ورشہ امانت باشد در ورشہ دار و وارث بسیار فرق ست قائل شدہ ایں غزل شروع نمودند ؎

ہے کہاں اب تو اے مسیحا دم　　یاد آتا ہے وہ ترا عالم

ہجر میں تیرے ہم پہ کیا گذری　　تجکو معلوم کچھ ہوا اے صنم

ہر گاہ ایں شعر خواندند گفتم در لفظ ہوا اے صنم دخل فرمودہ باشند گفت ایں چہ بدی دارد گفتم لفظ اے از تنگی نشست یافتہ غرض دو سہ جائے دیگر آنچہ اوشاں فرمودہ بودند یعنی بے کم و کاست عرض کردم بوجہ احسن تشفی شد معقول شدند۔

مجلس بست و پنجم

در لکھنو بندہ و برادر انشاء اللہ خاں در سرکار مرشد زادہ آفاق میرزا محمد سلیماں شکوہ کہ سلیماں تخلص میفرمایند ملازم بودیم باہم آں قدر دوستی و اخلاص داشتیم کہ در تحریر نمی آید چنانچہ ایں شعر از آنجناب ست کہ در حق بندہ فرمودہ بودند ؎

عجب رنگینیاں ہوتی تھیں تب باتوں میں اے انشا

ہم مل بیٹھتے تھے جب سعادت یار خان اور ہم

روزے خاں صاحب موصوف درحضور مرشد زادہ حاضر گردیدہ غزل تزیج خود خواندند مطلعش ایں بود ؎

دیکھ اسکی پڑی خاتم یاقوت میں انگلی
ہاروت نے کی دیدۂ ماروت میں انگلی

بدیہہ بندہ از راہ شوخی عرض کرد کہ اگر ایں مصرع بدارند شعر کمال چستی پیدا کند

بیٹھی ہے پری اپنی ہی ۔۔۔ میں انگلی

چرا کہ باہم ربط بشدت بود کہ مدام شوخی از طرفین بعمل می آمد خندہا خود کردیم۔

مجلس بست و ششم

در لکھنو روزے میاں جرأت صاحب درحضور حاضر گردیدہ غزل خود خواندند مطلعش این بود۔

کہیں رونے پہ ولا انکا وہ دے یار نکال
صدف چشم سے مت گوہر شہوار نکال

گفتم حضرت نکال مصرع اول دریافت نمیشود کہ از خانہ یا از شہر اگر ایں قسم بدارند بہتر باشد

ع۔ کہیں رونے پہ ولا گھر سے نہ دے یار نکال

از انجا کہ میاں جرأت بسیار منصف اند کمال پسند نمودند در جواب مطلع بدیہہ ایں غزل راو بروئے میاں جرأت گفتم۔

مجھ پہ کیوں ڈھونڈے ہے تو مہر گھڑی تو ار نکال
قتل کی میرے نئی طرح کوئی یار نکال

اپنی گر حسن فروشی ہی سب تجھے ہے منظور
تو کوئی چھوڑی سی کھڑکی سر بازار نکال

واسطے بوسے کے یوں دل کو رکھا اُسکے حضور
جیسے کیسے سے رکھے زر کو خریدار نکال

عرش تک پہونچی ہو تواب تو زیادہ اس سے
پیٹ سے پاؤں نہ لے آ او شر بار نکال

جان سے جاؤنگا میں تیرا نہ کچھ جاویگا
مجھے محفل سے خفا ہوکے نہ اے یار نکال

میں جو لپٹا تو وہ گھبرا کے یہ بولے کہ سرک
چھوڑ دے مجکو کسی اور پہ یہ پیار نکال

اُسکے فندق کے تصور میں کہے ہو رنگیں
کوئی لخت جگر اے دیدۂ خونبار نکال

مجلس بست و ہفتم

در لکھنؤ روزے از مرزا حاجی بیگ ملاقات شد او شاں مطلع میاں جرأت و مطلع مرزا جیون کہ رضا تخلص میفرمایند رو بروے بندہ خواندند۔ ؎

کانوں میں اُسکے پھول نہیں ہیں گلاب کے
ٹکڑے شفق کے پہلو میں ہیں آفتاب کے

مطلع رضا۔ ؎

بسنرے ہیں اُسکے کانوں میں اس آب و تاب کے
جیسے کہ برگ سبز ہوں نیچے گلاب کے

گفتم کہ ہر دو مطلع بسیار عمدہ اند فرمودند کہ در جواب آنہا فکر باید کرد بعد تامل بہ تبدیل قافیہ این مطلع عرض کردم۔ ؎

موتی ہیں دونوں کانوں میں اُس خوش نگاہ کے
چھٹکے ہیں یا کہ تارے یہ نزدیک ماہ کے

مجلس بست و ہشتم

در لکھنؤ مرزا سبحان قلی بیگ آغب از شاہجہان آباد تشریف آوردند در دیوان خانہ میر منو صاحب مولوی میر مصاحب علی و برادر انشاء اللہ خاں و بندہ برائے ملاقات اوشان رفتیم بعد از پرسش احوال فرمودند شب ایں غزل گفتہ ام ع

بادۂ ناب دلم می خواہد

گفتم مصرع دوم ایں گفتہ باشید۔ ع

عالم آب دلم می خواہد

فرمودند کہ واللہ ہمیں گفتہ ام و فرمودند کہ حسن مطلع این ست۔ ع

سخت تنگ آمدم از تاریکی

گفتم مصرع ثانی این باشد ع

سیر مہتاب دلم می خواہد

اظہار کردند کہ باللہ ہمیں نوشتم غرض کہ ہمیں قسم از پنج شعر غزل سہ شعر را مصرع ثانی بے کم و کاست فوراً گفتم و دو شعر را مصرع ثانی سوائے نوشتہ اوشاں بہم رسانیدم شخصے گفت کہ شاید اوشاں شنیدہ باشند ہر چند بندہ قسمہا یاد کرد اعتبار نہ کرد و گفت اگر مسودہ بینم یقین گردد و چوں مرزا مسودہ برآوردند بموجب گفتہ بندہ دریافت کردہ تعجب نمودہ متحیر ماندند۔

مجلس بست و نہم ۲۹

درلکھنو بروزے حضرت مرشدزادہ از محل برآمد نشدہ بودند ابوالحسن خاں
وطالب حسین خاں و مرزا نعیم بیگ و میر انشاء اللہ خاں و بندہ و دیگر صاحبان ایستادہ
مجرا بودیم از ابوالحسن خاں و بندہ خوش طبعی بکمال شوخی بود فرمودند کہ دریں ایام
ایشاں دیوان ہزل درجواب صاحبقراں کہ مشتاق ہزل اند گفتہ اند دو مطلع اوشاں
یاد دارم مثل اوشاں ممکن نیست کہ از شما بعمل آید بعد قطع کلام ایں ہر دو مطلع را خواند —ہ

ہے جی میں کالی جھیا کو ہمخواب کیجیے
تیغ ذ— کو اپنے سینہ تاب کیجیے

یوں گرمی دانے ہیں ترے پچ کے آس پاس
خشخاش جوں لگی ہو کلیجے کے آس پاس

گفتم در شعر اول چہ قباحت ست کہ کسے تیغ را سینہ تاب نمیکند مگر قبضہ ہی شود و در شعر دوم
تامل ست کہ خشخاش را بر کلیجہ می چسپانند نہ گرد پیش ایں ہم غلطی محاورہ است بعد آں
ایں مطلع و حسن مطلع گفتہ عرض کردم کہ اگر ایں قسم میفرمودند بہتر بود —ہ

سینہ تل ہیں یوں اسکے ـــ کے اوپر
گلوبچی ہو جیسے کلیجے کے اوپر

نہیں —پہ روشن کی ـــ ل کا بھچا
یہ خس کا ہے پردہ در نیچے کے اوپر

پسند کردہ فرمودند کہ کدام غزل ہزل خود بخوانید ایں غزل خواندم۔

نفس اپنا جو یہ ہے شاخ شجر کے مانند
ـــ دو اسمیں لٹکتے ہیں ثمر کے مانند

وہ سحر خیز ذ— ہے یہ جنونی جس نے
چاک —ل کے کئے جیب سحر کے مانند

اُسنے پھوڑے ہیں غرض لاکھوں ہی ۔۔ن کے سر　　گرز لندھور نہیں میرے ذ۔۔کے مانند
ہے وہ ساپچے کا ڈھلا نفس یہ میرا جسکی　　جڑ رہے مانند سرا و ر سر ہے کمر کے مانند
تجکو دینا یہی لازم ہے کہ لے جھاڑ آمیٹ　　۔۔ تری بہتی ہے اب دیدۂ تر کے مانند
چشم غواص ۔۔سے گے پوشیدہ ہے　　صدف ۔۔میں ۔۔ن تیری گہر کے مانند
اسکے ہر کوئی مسافر سا گذر جاتا ہے　　۔۔ تیری ہے بس اک رہگذر کے مانند
تجھ پہ نازک بھی ختم ہے یہ جان یقین　　برگ گل کب ہو تری ۔۔کی گر کے مانند

شب جو منزل میں ہوا نقد ۔۔سے نکلیں زریا
بھر گیا خانہ ۔۔ بدرۂ زر کے مانند

بعد آں تجویز شد چند مطلع دیگر خواندم ۔

یوں در ۔۔میں ۔۔جا کے یہ ناشاد موا　　جوں قدم رکھتے ہی دروازے پہ شیدا موا

دیگر

دھر ایوں ہیں شب آ ۔۔ کو اُسکی ناف کے اوپر　　لکھے جس طرح انگلی کوئی حرف قاف کے اوپر

دیگر

۔۔حقنطین کی شگفتہ کیوں نہ ہو گل کی طرح　　سبز جھا ۔۔ اُس پہ لہراتی ہے سنبل کی طرح

دیگر

شستہ ۔۔ یوں ہی جا کر ۔۔کن متصل　　جوں پہنچ کر کوئی مر جائے وطن سے متصل

یوں لگے ہیں — اپنے نفس متوالے کے ساتھ   جس طرح سے کُوکھل لگتے ہیں اکیڑ الے کے ساتھ

مجلس سی ام

درلکھنؤ روزے مرشدزادہ آفاق درخلوت رقص ارباب نشاط ملاحظہ میفرمودند میر انشاء اللہ خاں ومیاں جرأت ومیاں مصحفی وغیرہ چند اشخاص حاضر بودند از حضور ایں مصرع ارشاد شد ع

یک قلم گشت مرا نقشۂ تصویر کسے

ہمہ صاحبان درفکر بودند کہ مصرع دوم بہم رسانند دریں اثنا بندہ رسید مجرا نمودم از حضور ارشاد شد ایشاں مصرع ثانی بہم رسانند فوراً عرض کردم — ع

کرد زنجیر بپا زلف گرہگیر کسے

مجلس سی ویکم

درلکھنؤ قاسم علی شاہ کہ از چندے روزگار حضرت مرشدزادہ را گذاشتہ ترک لباس کردہ اند وازعالم دنیاداری رو گردانیدند بربندہ مہربانیہا میفرمودند روزے تشریف آوردہ ارشاد فرمودند کہ برائے کار ضروری آمدہ ام عرض کردم ارشاد شود فرمودند کہ ایں وقت نزد مرزا احمد علی خاں نشستہ ذکر ایشاں مینمودم کہ شخصے از مصاحبان اوشاں ایں مطلع سیاں متوطر کہ شاگرد میاں مصحفی اند خواند — ے

نہ تو عشق سے مجھے عشق ہے نہ تو چاہ کی مجھے چاہ ہے
وہ جو بات منہ سے نکالی تھی سو اسی کا اب یہ نباہ ہے

مرزا ے موصوف پسند کردہ فرمودند کہ شاہ صاحب تعریف رنگیں این قدر کردہ اند شوق ملاقات اوشاں از حد افزوں ست ہیں وقت اوشاں را بیار یداز اوشاں در جواب ایں مطلع غزل خواہم کنانید تا امتحان شود ایں فقیر از مزاج من آگاہی داشت عرض کرد کہ نخواہند آمد اگر بفرمائید غزل از اوشاں نویسانیدہ بیارم فرمودند کہ بہتر پس آمدہ گفتند ناچار بپاس خاطرش گفتم بگفتم کہ غزل خاطر خواہ خود نشدہ۔

نہ تو بتکدے ہی کی چاہ ہے نہ تو کعبے پر ہی نگاہ ہے
یہ جو شخص نامہ سیاہ ہے لئے اپنے دل ہی سے راہ ہے

نہ تو کچھ کلیجے میں درد ہے نہ کچھ اپنا رنگ ہی زرد ہے
مگر آہ لب پہ جو سرد ہے تو یہ ایک ڈھب کی کراہ ہے

نہ تو معتقد ہوں میں ذات کا نہ ہے دھیان مجکو صفات کا
میں تو قائل اپنی ہوں بات کا کہ ہمیشہ جس کا نباہ ہے

نہ تو ربط مجکو ہے عام سے نہ غرض ہے کچھ نہ مجھے نام سے
مجھے کام اپنے ہی کام سے یہ مراحق ہی میرا گواہ ہے

نہ تو اپنے جی کا اُسے خطر نہ ہے اپنے حال کی کچھ خبر
کرو عشق ور نگیں پر مگر نظر تو وہ کوہ اور یہ کاہ ہے

مجلس سی و دوم

در لکھنو در حضور مرشد زادہ منشی میر حسین کہ منشی تخلص میفرمایند این مطلع میان مصحفی را عرض کردند۔

اودامن اٹھا کے جاتے والے — ٹک ہم کو بھی خاک سے اٹھا لے

صاحب عالم در جواب مطلع بدیہی ارشاد کردند۔

او تاج شہی کے رکھنے والے — عقبے کے لئے بھی کچھ کما لے

من این مطلع عرض نمودم۔

دل کو کوئی کس طرح سنبھالے — یہاں جان بن کے پڑے ہیں لالے

مرزا نعیم بیگ کہ جوان تخلص سکینہ فوراً عرض نمودند۔

مت بکیو زیادہ اور جا لے — ہونٹوں میں جو چاہے پڑ پڑا لے

مجلس سی و سوم

در لکھنو روزے بوقت دوپہر خلاف عادت در دیوان خاص رفتم دیدم کہ حضور مرشد زادہ تنہا در کمال فکر و اندیشہ نگران بجانب گلشن بودند مجرا نمودہ عرض کردم تحیر از چہ بابت است ارشاد شد کہ میخواستم کہ استراحت نمایم یک بیک مصراع بخاطر گذشت خواستم کہ مصراع ثانی بخاطر خواہ بہم رسد اتفاق نشد بکمال بیقراری در فکر مصراع ثانی بودم

عرض کردم ارشاد شود فرمودند ؎

منزلِ عشق ہے سخت اے دلِ رنجور دراز

گفتم -

مجھ میں طاقت نہیں مت کر سفر دور دراز

شخصے از خواصان عرض کرد کہ دریں مصراع غلطی روزمرہ است یعنی در لفظ دور و دراز واو عطف ضرور است گفتم در بدیہہ جائز است حضور فرمودند درست است -

مجلس سی و چہارم

در لکھنؤ روزے حضرت صاحب عالم در باغ فتح علی خاں کہ جائے تحفہ است برائے سیر رونق افزا شدہ بودند در اثنائے راہ ایں مطلع ارشاد شد ؎

نہ تو سیرِ گل کا دماغ ہے نہ جہاں سے رنگ فراغ ہے
یہ جو اپنے سینے کا داغ ہے یہی گل ہے اور یہی باغ ہے

انشاء اللہ خاں و بندہ بر یک فیل ہمراہ رکاب حاضر بودیم بسیار تعریف نمودیم کہ چہا قافیہ در مطلع بکمال چستی نشست یافتہ فرمودند کہ در جواب ایں فکر باید کرد عرض کردم بشرط تبدیل قافیہ انشاء اللہ خاں ایں مطلع عرض کردند ؎

نظر اپنی اُس سے جو لڑ گئی تو وہ چتون آنکھوں میں گڑ گئی
شرہ دل میں ایسی ہی اڑ گئی کہ جو بات تھی سو ٹھہر گئی

من ایں دو شعر عرض کردم ؎

یہ دل اپنا جسکا غلام ہے ابھی قاتل اسکا ہی نام ہے
اُسے ہم سے چھیڑ مدام ہے ہمیں کام اپنے سے کام ہے
مرا دم تو آیا ہے ناک میں نہیں باقی ذرہ ہلاک میں
مجھے یوں ملا دیا خاک میں ارے عشق تجھ کو سلام ہے

مجلس سی و پنجم

در لکھنؤ بہ شادی پسر رام رتن مودی پادشاہی بندہ و ابوالحسن خاں بر پشت بام نشستہ بودیم در روبروے مجلس زن مہتاب نام طوائفے واقعی بہتر از ماہ بود بکمال خوبی مجرا می نمود چوں طرف او نگاہ کردم دل از دست رفت بدیہہ ایں مطلع گفتم و با آواز بلند از بیقراری خواندم ؎

تھی شعلہ یا وہ برق کہ جی میرا جل گیا ایسی ہی کی نگاہ کہ بس دم نکل گیا

مجلس سی و ششم

در لکھنؤ روزے بہ دربار مرشد زادہ می رفتم مرزا نعیم بیگ جوان از دربار برآمدہ شدہ می رفتند در راہ ملاقی شدند گفتند کہ ہمیں وقت مطلع گفتہ ام ؎

سیہ خال اس طرح سے ہیں گے اُسکی ناف کے اوپر دیئے ہوں مہر علی نے جیسے نقطے قاف کے اوپر

و انشاء اللہ خاں ایں مطلع گفتہ ؎

دھرا جب نقد دل ہم کھول اُسکی ناوک کے آگے تو پھیروں کیوں نہ ہاتھ اُس سینۂ شفاف کے اوپر

گفتم ہر دو مطلع خوب اند و در مطلع سامی عین علی از تنگی نشست یافتہ اگر مناسب باشد ایں قسم باید نوشت

رشید اسنے دیئے ہوں جیسے نقطے قاف کے اوپر

پسند فرمودند و گفتند کہ شما ہم دریں زمیں فکر نمائید گفتم ؎

پڑی یوں میری انگلی شب کو اسکی ناف کے اوپر کہ جیسے کاف کا مرکز ہو گل کے کاف کے اوپر

مجلس سی و ہفتم

در لکھنؤ روزے میاں جرأت بحضور حاضر گردیدہ ایں مطلع عرض کردند ؎

کب تلک اے یاس جدائی میں رہوں مَن مارے آئے اے کاش وہ آکر مجھے گردن مارے

در جواب از حضور ارشاد شد ؎

کاش اک کھینچ کے تیغ دمِ رفتن مارے نام جانے کا نہ لے اور مجھے گردن مارے

میر انشاء اللہ خاں ایں مطلع عرض کردند ؎

کیوں نہ وہ شوخ مجھے کھینچ کے سمرن مارے میں نے کبھی پھول کئی جانبِ چلمن مارے

بندہ ایں مطلع گفت و بعد آں غزل ؎

در پئے اس شوخ کے ہم بیٹھے ہیں آسن مارے خواہ جینے دے ہمیں اب خواہ وہ گردن مارے

تمامی غزل در دیوان نوشته است۔

مجلس ۳۸ سی و ہشتم

در لکھنؤ روزے انشاء اللہ خاں نزد بندہ تشریف آوردہ ایں مطلع غزل طرحی

خود خواندند۔ ؎

توڑونگا خم بادۂ انگور کی گردن ۔۔۔ رکھدونگا وہاں کاٹ کے اک حور کی گردن

بندہ ایں مطلع و حسن مطلع گفت۔

سانچے میں ڈھلی ہے یہ تری نور کی گردن ۔۔۔ گردن کو تری پونہچے ہے کب حور کی گردن

کیا دست قضا نے یہی قسمت میں لکھا تھا ۔۔۔ دھڑ سے نہ ملے اس تیرے منفور کی گردن

مجلس ۳۹ سی و نہم

در لکھنؤ روزے صاحب عالم در دیوان خاص رونق افزا بودند منشی میر حسین

نعیم بیگ و بندہ استادہ بودیم انشاء اللہ خاں حاضر شدہ مجرا نمودند فقرہ بے نقط را

بطور لطیفہ در فارسی گفتند ارادہ مسہل دارم سائل در جواب بے نقط شدند فوراً

از حضور ارشاد شد کل لو میر حسین بزبان عربی بے نقط گفتند کہ اولی واحد بند

بزبان ترکی جواب داد کہ آل یعنی بگیر نعیم بیگ در معنی جواب بندہ فرمودند کہ صنعتے

برآوردم لفظ بگیر چہار حرف از دو بے نقط و دو نقطہ دار ایں اگنگا جمنی باید گفت

مجلس چہلم

در لکھنؤ شیدہ را از زنکہ طوائف حالت عشق بود از پاس خاطر آں از صاحب
خانہ او ربط نداشتم و گاہے برائے دیدن او میسر نمی شد مقدورے نبود کہ وصل آں میسر آید
و ایں راز را بکسے اظہار نمی کردم ہمدریں عرصہ دو سال گذشت روزے از صاحب
اجازت رخصت انتشار جہان آباد گرفتہ روانہ شدم برائے رخصت بخانہ آں رفتم بسکہ غلبۂ شوق
طالب بود بمجرد رسیدن بخانہ او زار زار گریستم بے محابا آہ سرد کشیدم صاحب خانہ از
پرسید کہ حالت از بہر کیست مطلع حسب حال خود خواندم۔

دیکھتے ہی شکل سب جاتا رہا ہے یاد سے
حال دل کیونکر کہوں اس خانہ ماں آباد سے

او گفت در ینجا از مدت تشریف می آرند نگفتند کہ از فلانے تعشقے دارم بعد ازاں ایں
غزل بر دیوار خانہ نوشتم۔

اب ہوئی ہمکو سخت حیرانی
چال چتون سے اسنے پہچانی

نہ رہا میرے پاس پر نہ رہا
دل کی ہر چند کی نگہبانی

جی کی بات اپنے رہ گئی جی ہیں
یوں یہاں سے چلے ہم اے جانی

دیکھیے پھر خدا ملا دے کب
ہم کو اس فکر نے کیا فانی

جی میں [illegible]
تم نے رنگیں کی قدر کیا جانی

مجلس چہل و یکم

در لکھنؤ روزے حضرت مرزا شہزادہ در باغ لکھپیڑا فتح علی خاں رونق افزا بودند برادر صادق اللہ یار بیگ خاں و طالب حسین نعیم بیگ باہم نشستہ بودیم بندہ اوراق را می نوشت سوختہ علی بیگ کہ وارد شہر لکھنؤ حضور بودند آمدہ اظہار کردند کہ یک شعر ابوالحسن خاں یاد بود مصرع اول فراموش شد مصرع ثانی این است

سر پائی ٔ فصل گل اور پاؤں میں زنجیر

فوراً این مصرع بخاطرم گذشت۔

اے دل دیوانہ کہہ اب کیا تری تدبیر ہے

مجلس چہل و دوم

در لکھنؤ روزے بخانۂ نعیم بیگ از روگردیدیم او شاں اظہار کردند کہ شب یک نقل شنیدہ ام شما این را نظم کردہ وہید گفتم ارشاد شود تمامی احوال بیان کردند بندہ آنرا نظم کردہ در سا لہ یادگیں نوشت۔ ع نقل کرتے ہیں مسافر ایک تھا ہ

مجلس چہل و سوم

بہ فیض آباد در محفل نواب مرزا تقی نشستہ بودیم میر حسن کہ خلیق تخلص میفرمایند

پسر میر حسن بےنظیر وارد شدہ بودہ را از کمال بےنظیری بہ لباس صحیح و تحقیق نمودہ
نوشتہ ام تاہم چند جا شبہہ داشتم از او شان احوال چند شعر پرسیدم کہ تشفی گردد

مغرق جواہر سے اک جفت کفش ‏ ‏ ‏ نہ دہ مشت پا بلکہ پا مفت کفش

دیگر

کہا اس نے اس سے کہ سچ سچ ہے یہ ‏ ‏ ‏ دیا چھیڑنے کو مرے کچھ ہے یہ

دیگر

کھڑے ادبے ہوتے تھے سر جوڑ جوڑ ‏ ‏ ‏ کہ جی کون دیتا ہے بد بد کے ہوڑ

دیگر

تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار ‏ ‏ ‏ نہ ہو تجھ سے مایوس امیدوار

گفتم معنی شعر اول دریافت نمی شود و قافیہ شعرہا ہم بطور دیگر باشد البتہ آں صاحب
آگاہی میدارند چیزے بہ چیزے بیان نمودند و چند جاے دیگر ہم تسلی نہ شد

مجلس چہل و چہارم

در الہ آباد بہ پیر و نجف شیخ پے زیارت درگاہ رفتم در آنجا یک مرد کہ نعت
می کرد این مطلع میاں مصحفی میخواند

گل کہا مو سے تجھے چھنکے لئے تصویر لا ‏ ‏ ‏ وہ کہا بولی مجھی شرما سے کبھی وہ مزار یہ

شخصے گفت بریں مجہدان مثال شعر گفتہ اند

تم رات کو کبھی آسے نہ اپنے قرار پر | یہ ظلم تم نے کیا کیا اس بے قرار پر

فوراً در جواب دو شعر گفتم ؎

ہم جوں چکور غش ہیں آجی آئیا ساید پہ | بلبل کی طرح جی نہیں دیتے ہزار پر
پا بوس یار کی ہمیں حسرت ہو اے نسیم | آہستہ آئیو تو ہمارے مزار پر

مجلس چہل و پنجم

در بنارس بخدمت نواب نصیر الدین خاں پسر نواب علی ابراہیم خاں مالک عدالت آنجا بسیار بندگی داشتم روزے واجد علی خاں و حکیم جعفر و بندہ و چند اشخاص دیگر در خلوت نشستہ بودیم ہر یک در سخن گوئی دستگاہ خوب داشت نواب موصوف ذکر شاعری مرزا رفیع بر آورد و تعریف میکردند شخصے در آں میاں کہ از بندہ کدورتے داشت سخن تا باینجا رسانید کہ مثل اوشاں ممکن نیست کہ پیدا شود گفتم کہ شاعران سابق و حال در دو سہ جا حق پیدا کردہ اند و گفت ؎

حریفاں بادہا خوردند و رفتند | تہی خمخانہ ہا کردند و رفتند

گفتم ایں را ایں طور شنیدہ ام ؎

حریفاں بادہا خوردند و خفتند | تہی خمخانہا کردند و مستند

گفت کجا اند چوں مکرر تکرار کرد ایں شعر سعدی خواندم ؎

جہاں راندا رندسے کتخدا | یکے چوں رود دیگر آید بجا

گفت این درحق پادشاہان ست گفتم این درحق شاعران باشد ؎

هنوزان ابر رحمت دُرفشان ست | خم و خمخانه با مهر و نشان ست

گفت درکلام اوشان غلطی محاوره و خلل الفاظ اصلا نیست و لهجهٔ اُردوے معلی را جلا داده اند و ملک الشعرا گذشته و حکم آیت و حدیث دارد و در اشعار ہاے دیگر شاعران چند نقصان ست گفتم مقدمهٔ شاعری بسیار مشکل و رطب و یابس در کلام همه است ؎

شعر گر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست | در ید بیضا همه انگشتها یک دست نیست

گفت این سواے مزار قبیح درحق شاعران دگر ست ازین سخن تا به نیاورد م و گفتم که مطلع و مقطع غزل اوشان یاد دارم ؎

نگر آباد ہیں بسے ہیں گانو | تجھ بن اُجڑے پڑے ہیں اپنے بھانو

قیس و فرہاد کا نہیں کچھ ذکر | اب تو سودا کا باجتا ہے نانو

قطع نظر از لفظ نگر و تجھ بن و بھانو قافیه مقطع را باید دید که نام را نانو گفته از پس این کلام عربی و ترکی نیست که در فهم نیاید زبان روزمره است گفت که اگر در دیوان در یک غزل از غلطی او سهو شده گفتم شعر دیگر یاد دارم ؎

ساق سیمیں کو تری دیکھ کے گوری گوری | شمع مجلس میں پڑی جاتی ہے تھوری تھوری

گفتم بر قافیه غور باید کرد گفت در زبان بھاکا رٹے را آئے میگویند و بدل میکنند گفتم در مرغ گورا حافظه نمی باشد اوشان در زبان ریخته غزل میگفتند یا در بھاکا مشق میکردند مطلع دیگر یاد دارم ؎

عاشق تو نامرادیاں بس اس قدر کہ ہم دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کے ہم

گفتم بر قافیہ این غور باید کرد بعد قطع کلام نواب صاحب بندہ را پسند بدند۔

مجلس چہل و ششم

در بنارس بندہ و برادر مرزا ابراہیم بیگ کہ با بندہ دوستانہ ائل اند و شخصے چند روز تنہا ملو الفت گشتند بودیم صحبت اختلاط گرم بود ازاں میاں یک نکہ دست بندہ را گرفتہ پرسید کہ بر دست ایشاں بگل برآمدہ کیست پیش او این اشعار خواندم ۔

اس اپنے ہاتھ کے گل کی کہوں کیا اک کہانی ہے نشانی اسکی چھلا تھا یہ چھلے کی نشانی ہے

مجلس چہل و ہفتم

در بنارس روزے مرزا الٰہی بخش کہ از دوستان مرزا ابراہیم اند و از چندے بر رفاقت مرشد زادہ ترک لباس نمودہ اند این مطلع میر حسن مرحوم روبروے بندہ خواندند ۔

منھ کہاں یہ کہ کہوں آیئے اور سو رہیے خوب گر نیند ہے تو جایئے اور سو رہیے

در جواب این مطلع گفتم ۔

میری چھاتی سے لپٹ جایئے اور سو رہیے
آیئے آیئے بس آیئے اور سو رہیے

تمام غزل در دیوان ست ۔

مجلس چہل و ششم

در عظیم آباد بخانهٔ میر غلام علی خاں وارد گردیدیم در شہر شہرت شد که شخصے شاعر از شاہجہان آباد آمده است روزے پنج شش شاعراں رسیده نزد بنده نشستند شخصے از شاگردان میر ضیاء الدین که ضیا تخلص میکنند و مشق از مرزا رفیع دارند با پنج چہار کس دیگر رسیدند و بمجرد نشستن فرمودند که در شعر دستگاہ خوب داری و اکثر در کلام ہر یکے قباحت می برآری میخواہم که چیزے از ایشاں بشنوم و از کلام استاد خود بخوانم تا در آں قباحت برآرند گفتم من عیب جوئے خلق اللہ نیستم و خود را مبتدی می انگارم ہر چند عاجزی و کسر نفسی نمودم سود نکرد گفت از اشعار خود بخوانید می خواہم

کب تم نے نکالے کہو ارمان ہمارے   کس رات ہوئے آپ ہیں مہمان ہمارے ـــه

چوں تمام نمودم تحسین نکرد گفت مطلع میر ضیاء الدین میخوانم دراں قباحتے برآرند والا احوال شاعری و شعر فہمی سرکار فسق ست مطلع خواند ـــه

بلبل کو چپکی لگ گئی و گل بھی ہنسا ہووے   گلشن میں کون آیا جو یہ شگوفے پھولے

گفتم مصرع آخری خوب ست گفت مصرع اول بد گفتم مصرع ثانی چیست گفت مصرع اول سست دیدم که تیغ سخنم نمی بُرد دانستم در سنگ نیز اثر نمیکند گفتم بلے که

آہن بہ آہن تواں کرد نرم

گفت چگونه گفتم چپکی لگ گئی نه فہمیده ام گفت یعنی چپ لگ گئی گفتم ایں نظر که ارشاد

می شود زبانی اہل کشمیرست گفت او در بحر جگہ نہ موزوں شود گفتم در خیالش نیامد والا
ایں طور می شد

بلبل کو لاگ گئی چپ اور گل بھی ہنسنا بھولے

باز گفت کہ شعر سرو ست بزبان آمد گفت اگر دریں شعر قباحتے برآرند بدانم۔ ؎

ڈبڈبائی آنکھ آنسو تھم رہے ہے — کاسۂ نرگس میں جوں شبنم رہے ہے

گفتم در شعر ہندی ہر جا تمثیل می آرند معمول ست کہ بمقابل جوں یوں ایسے جیسے وراں
طرح جس طرح ضرور می آرند کہ شعر بے رونق نہ گردد چنانچہ غزل بندہ است۔ ؎

سیہ خال اس کے یوں رخسار پر ہیں کان کے آگے
ملنگ اڑ جاتے ہے جیسے کسی دوکان کے آگے

غزل تمام در دیوان است گفت آں لفظ در بحر گنجایش نداشت گفتم ایں قسم میتواند شد

اشک آکر چشم میں یوں تھم رہے ہے

گفت لفظ ڈبڈبا از دست می رفت گفتم ایں قسم باید گفت۔

ڈبڈبا کر اشک پھر یوں تھم رہے ہے

سوائے ایں مصرع ثانی را چہ باید کرد کاسۂ نرگس سرنگوں میباشد شبنم دراں چگونہ
قرار گیرد بمجرد شنیدن ایں آواز آفریں از مجلس برخاست و مدعی وقت یافتہ گریخت

مجلس چہل و نہم

در عظیم آباد در انجا وارد گردیدم کاظم علی خاں پسر نواب فخر الدولہ واہ از کمال تیاری

ضیافت بندہ فرمودند ارباب نشاط و مردم دیگر بسیار بودند بعد فراغت طعام و رقص و ذکر شعر شاعری بمیان آمد خان موصوف فرمودند کہ چیزے از تصنیف خود بخوانید اشعار خواندم

ہوا نکلتی ہے جراح زخم سینے سے — بس اب تو ہاتھ اٹھا ظالم اسکے سینے سے

تمام غزل در دیوان ست محمد قلی خان کہ راغب تخلص میکنند تشریف داشتند بعد اتمام غزل گفت کہ مراد در مطلع غزل تامل ست گفت ہر گاہ کہ از زخم ہوا برمی آید میمیرد پس بعد مردن چگونہ این مصرع برآمد گفتم جاے تامل نیست مضمون پیش پا ست اگر فرمایند ہزار شعر ہندی و فارسی در سند بخوانم یکے این ست

مردہ ام لیک غم رشک تو دیدن باقیست — از فراق تو بسے آہ کشیدن باقیست

کاظم علی خان از بندہ فرمودند کہ محمد علی خان در نشاء شراب اند از صاحب گران خاطر نشوند گفتم چنین ست

مجلس پنجاہم

در عظیم آباد از طوائف ترسنے دلبستگی داشتم روزے بخانہ او نشستہ بودم خواستم کہ برخیزم رفتن نداد یک بار این مطلع خواندم

ہو مجکو جو رخصت تو ابھی ہو کے بکھر آؤں — جا گھر کو یہ کہہ منہ سے میں صدقے ترے جاؤں

گفت کہ صلاح شعر ہمین ست کہ برو

مجلس پنجاہ و یکم

در عظیم آباد میر علی خان بسیار دوست بندہ بودند و از کیفیت وہرہ شوق زیادہ داشتند

پیش بنده این کبت خواند۔

چاو نرمی گھ بیٹھ رہو کوں پیاری ہو نیچ بٹھاون کو
آنے دے تو ہیگی البیلی للا انھیں کون کہے سمجھاون کو
ان کے رس ہا پی رس ریت نہیں رس ریت ہی ریت جتاون کو
اے جی پیاسے کنواں پر جاتے سنے تک آوے کنواں موہے پیاون کو

اگرچہ بنده دریں فن دستگاہے نداشت برائے تفنن طبع این کبت بدیہہ در جواب گفتم

ایسے پیتم موسے روس رہے ہیگی تمھاری ہو جاول سہے لاؤ سکھی
انکھیل ہیں اپنے البیلی للا ون ہیں کو تو طرح سمجھاؤ سکھی

بمجرد شنیدن این را نوشته گرفتند و گفتند چند دوہره بخوانید چند دوہره خواندم۔

نینیں پیا کال ہت ہیں جب سے لاگی پیت
پیم نگر کی اے سکھی دیکھی الٹی ریت
نینیں آئے نہ آئے سکھی پھلے گئے پردیس
نگر نگر اب ڈھونڈھتی کر جوگن کا بھیس

۵۲
مجلس پنجاه و دوم

در عظیم آباد که میله کتالوں می شود در آں تمام مردم وضیع و شریف و زن و مرد در باغها رفته چند روز می مانند و رقص و تماشا می بینند بنده را که از چندیں صاحبان آنجا ربط شده بود با ہم در سیر کتالوں به باغها رفته گلگشت نمودیم بمکانیکه نواب شجاع قلی خاں ولد نواب منیر الدوله نشسته بودند روبروے اوشاں امام بخش بھانڈ که در شوخی رقص

وخواندن آفت زمانہ بود و نقلہا عجیب عجیب میکرد بھانڈ مذکور بخدمت نواب عرض
نمود کہ غزل ریختیہا بسیار شنیدہ اند اگر حکم شود ریختی بخوانم فرمودند ریختی چہ معنی دارد عرض
کرد کہ رنگین نام شاعرے در شاہجہان آباد دریں ایام ایجاد کردہ است یعنی بزبان بیگمات
غزلہا گفتہ ریختی نام نہادہ است ۔

ٹیس پیڑو میں اُٹھی اوہ مری جان گئی مست تا مجھکو دوگانا تیرے قربان گئی

اشخاص کہ دراں تماشا ہمراہ بندہ بودند پرسیدند کہ ایں تصنیف ایشان است گفتم بلے
یک دیوان گفتہ ام مع قصیدہ مثنوی و فرد و رباعی و قطعہ و مخمس و مستزاد بسیار
خندیدند القصہ نظر نواب صاحب برما افتاد طلبیدہ بہ تواضع پیش آمدند و نزد خود جا داد
و از بندہ فرمودند کہ ایں ریختی ایجاد ایشاں است گفتم بلے امام بخش را طلبیدہ بہ بندہ گفتند
کہ کدام غزل ریختی دیگر بخوانید ایں غزل خواندم ؎

مجھ پہ طوفان نہ لے چاہ کا چل دور دوا جھوٹ سے منہ کا تیرے جائیگا اُڑ نور دوا

ایں غزل نویسانیدم امام بخش عرض کرد اعتبار نیست شاید کسے دیگر باشد غزل تازہ
ہمیں وقت بگویند فی الفور ایں غزل گفتم ؎

شکل جو آپ کی یاد آتی ہے تو اچھی روح نکل جاتی ہے

وہ تو ہوتی نہیں سے ہے کم بخت

بات جو دل کو مرے بھاتی ہے

ایں غزل در دیوان است ۔

مجلس پنجاہ و سوم

در مرشدآباد بخانہ حکیم رضا قلی کہ اوشان حکیم تخلص میفرمایند و شاگرد میر سوز بہ همراه محمد خاں وارد گردیدند و ذکر اشعار میر مذکور بمیاں آمد در وصف ایشان سخن باینجا رسانیدکہ برابر بول چال آنہا کسے نیست شخصے ازمیاں گفت کہ درکلام میر سوز لفظ قباحتے کہ بطرف نحو عامہ میشود می آیند گفتم درکلام اوشان دگر قصور ست گفتہ بر آشفتہ گفتند کہ قطعہ از اشعار او بیاد آمدہ است از نقصان اطلاع دہند گفتم چہ ضرورست کہ بے ادبی درکلام بزرگ میشود معاف دارند ہرگاہ بجد شدند وایں قطعہ خواندند ؎

میں کہا دل میں درد ہوتا ہے — ہنس کے کہنے لگا خدا نہ کرے
پھر جو کچھ جی میں آگیا تو کہا — ہاہیں بیٹے اگر دوا نہ کرے

گفتم در مصرع اول میں کہا غیر فصیح ست و در مصرع دوم دریافت نمی شود کہ کلام کس خندیدہ گفت

ہنس کے کہنے لگا خدا نہ کرے

اگرچہ خطاب معشوق ست لیکن پوشیدہ است۔

پھر جو کچھ جی میں آگیا تو کہا

بہ دریافت نمی شود کہ در دل کدام ست و در مصرع چہارم لفظ بیٹے استعمال زبان زنان ست مرداں لفظ بیٹے بر زبان نیارند روز دوم چند قطعہ در جواب آں بردم پسند فرمود

قطعہ

روٹھ کر ہیں جو اٹھ چلی نرگس ہو کے وہ بیقرار دوڑ سے آئے
لگ کے چھاتی سے پھر لگے کہنے ہمیں ہی کرے جو آگے جائے

قطعہ

میں نے پوچھا کہ جانتے ہو مجھے بولے نرگس کہ ہم تو بھول گئے
اُن کے مُنہ سے یہ بات سُنتے ہی بس مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے

مجلس پنجاہ و چہارم

در مرشد آباد مرزا کچھو کہ با بندہ دستار بدل شدہ اند پسر ناصر محمد خان از طرف نواب ببر جنگ پسر نواب مبارک الدولہ کہ صوبہ دار مرشد آباد ست شعر میر تقی را نزد بندہ خواندہ امتحاناً فرمایش جواب کردند ؎

کیا کہیں اپنی سخت جانی کی ہم نے مر مر کے زندگانی کی

بدیہہ در جواب ایں مطلع گفتم و در کلکتہ رسیدہ غزل سرانجام نمودم ؎

روح نے جسم پر گرانی کی اب یہ حالت ہی ناتوانی کی

مجلس پنجاہ و پنجم

در مرشد آباد مرزا لکھو کہ از دوستان مرزا کچھو بودند مطلع میاں نثار پیش بندہ خواندند

وداد خواستند۔ ؎

بولا جو پکار امیں کیا خانہ خرابی کی	ہیں آپ ہی آرزنہا کیوں تمنے شتابی کی

بندہ فی البدیہہ دو شعر گفتہ ۔ ؎

اشک آنکھوں سے برسائے او چشم گلابی کی	اِس دل کے اٹکنے نے کیا خانہ خرابی کی
کچھ شعلے سے اٹھتے ہیں یا جی کو جلاتے ہیں	سینے میں مرے دل ہے دوکان کبابی کی

مجلس پنجاہ و ششم

در مرشد آباد مردمان برائے بیڑہ در کشتیہا سوار شدہ میروند تمام شب ہزار ہا بجرہ و پالکی وگھلٹہ دوڑ و کھی وسہ در دریا میگردند ہمہ چیز در آنہا مہیا می باشد ہر کس تماشائے آتشبازی روشنی می بیند و بیڑہ مثال تعزیہ صد ہا بیڑہ از بانس درست کردہ زیر آنہا کوزہائے گلی میچسپانند سی سی گز طول و پانزدہ پانزدہ گز عرض و شش گز دو منزلہ سہ منزلہ تیار می نمایند و پائین و بالائے آنہا چراغہا و کنولہا و اندرون فرش و روشنی شمعہا کہ از میان آنہا و مسدم آتشبازی سر میشود و جھاڑہائے بلورین و پوشش از تمامی و پارچہ وغیرہ می کنند و در آں رقص می نمایند و از بالائے سقف آتشبازی انار و پھلجھڑی وغیرہ سر میشود درازی مرشد آباد و بنگلہ شش کردہ ست در میان ہر دو شہر ہا از روشنی و بیڑہا یک وجب جائے خالی نمی ماند بندہ ہم در یک کشتی سوار گشتہ سیر می نمود در یک بجرہ مراد بخش طوائف پیش کسے عمدہ غزل جرأت می خواندند۔ ؎

روز غل آگ لگ اٹھنے کا یہاں رہتا ہے — جس محلے میں ترا سوختہ جاں رہتا ہے

بندہ را خوش آمد در جواب مطلع غزل گفتم

اُسنے پوچھا کہ ترے درد کہاں رہتا ہے — دل پہ رکھ ہات کہا میں نے یہاں رہتا ہے

مجلس پنجاہ و ہفتم

در کلکتہ چندے اوقات بسر کردہ ارادہ حج کردم نود روپیہ کرایہ جہاز از ذات خود دادہ در جہاز نشستہ در عرصہ ہشت روز از کھجوریا و کیلا کانجی کہ نام آب ست گذشتہ بہ سرحد دریائے شور کہ از کلکتہ دو صد کروہ ست در روز نہم جہاز براہ می رود و در جہاز کہ بندہ نشستہ بود نود گز طول و بیست گز عرض و بیست گز بلندی بود جہاز بہر قدر کہ طول دارد چہارم حصہ بلندی و عرض دارد و خلاصی برآں بسیار و سہ مستول و دو ہر مستول دہ دہ بادبان بستہ گندگی مستول آں قدر کہ در بغل جوان نیاید و ریسمان لنگر از موہائے ناریل بصد گز درازی و دو جیب در گندگی و لنگر آہنی سی من وزن دارد و اکثر من بار جہاز می بردارند و نصفے مال تجارت و باقی بار خورش و آب و غیرہ سرانجام جنگ و دو ناخدا و چہار معلم بودند صعوبات بسیار کشیدم از تکان صدمہ و دوران سر شدہ بود و خوراک خشکہ و ماہی بے روغن و بے نمک و آب قدر کہ تشنگی ہم نمی رفت و از آب شور خارشت پیدا شدہ بود از زندگی سیر آمدہ بودم شیخ کریم اللہ در جہاز ہم سفر بود شہ تمر ہندی می خوردیم و از خارشت نجات آمدیم در آں وقت ایں شعر گفتم

دم آیا ناک میں اس آہ و زاری کے جینے سے — طبیبو موت ہی بہتر ہے بیماری کے جینے سے

غزل در دیوان ست و ناخدا گفت که امسال که به نخواهم رفت بتجارت بصره خواهم کرد
ما که اراده حج داشتیم سنت نمودیم بر مایان رحم آورده از مندراج باز به کلکته روانه کرد
از مکانیکه برگشتیم کعبه چهل روز راه مانده بود حق تعالی عذاب جهاز یکی نصیب نکناد۔

مجلس پنجاه و ششم

در کلکته روزی برای سیر سڑک بیاربی بی صاحبان انگریز بر بگهی و ہلیں وغیره
سوار شده برای ہوا خوردن میرفتند رفته بودم شخصی در بازار مطلع مرزا رفیع میخواند ؎

گو غنچه سان گره میں فی جمع زر کرے — آخر برنگ گل ہو پریشاں سفر کرے

بنده فی الفور این قطعه گفت۔

جو کوئی آکے باغ جہاں کی بہار میں — اک دم بھی مثل باد صبا کے گذر کرے
رنگیں بقول حضرت سودا خزاں سے وہ — آخر برنگ گل ہو پریشاں سفر کرے

مجلس پنجاه و ہفتم

در کلکته دو شخص بر اشعار میر تقی نزاع داشتند یکی میگفت که در وصف اوستادان
مرزا رفیع گفته است ؎

سودا تو اس غزل کو غزل در غزل ہی کہہ — ہونا ہے تجھ کو میر سے استاد کی طرف

دومی گفت ایں ہجو ہیچ ست مرزا گفتہ ؎

نہ پڑھیو یہ غزل سودا تو ہرگز میر کے آگے
وہ ان طرزوں سے کیا واقف وہ ایندا زکیا جانے

ہر دو نزد بندہ آمدہ یکے گفت شستگی الفاظ و محاورہ او شاں خوب است یکے ایں شعر خواند ؎

دیر و حرم میں کیونکہ قدم رکھ سکوں ہیں میر
ادھر تو مجھ سے بُت پھرا ادھر خدا پھرا

وگفت شستگی الفاظ ملاحظہ فرمایند بندہ گفت او شان الفاظ را در شعر بہ تنگی نشست میفرمایند
شخص اولیں گفت ایں گل دیگر شگفت و گاو گیر بندہ شد ہر چند خود را کشیدم مخلصی ندیدم
ناچار ایں دو شعر میر خواندم ؎

سارے رند اوباش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں
بانکے ٹیڑھے ترچھے تیکھے سب سے تجھ کو امام کیا

کیسا کعبہ کس کا قبلہ کون حرم کیسا احرام
کوچہ کے تیرے باشندوں نے سب کو یہیں سلام کیا

مجلس ششم

در ڈھاکہ مرزا علی تجارت پیشہ اند و شوق شعر دارند بخانہ او شاں رفتم و در عین
اختلاط یک نقل پور بیہ بیان کردم تمام نقل شنیدہ محظوظ شدند کہ ہمیں وقت در نظم گفتہ و ہند
بخاطر شان نظم کردم ، اتفاقاً پوربی ہم یار ود۔
در ایجاد رنگیں ملاحظہ فرمایند۔

مجلس شصت و یکم

در جہانگیر آباد روزے نزد مرزا علی مع چند شخص دیگر نشستہ بودیم مرزا فرمودند که کدام مخمس بخوانید خواندم۔

اُسکی وصل پر موقوف اپنی زندگانی ہے — دم کا کیا بھروسا ہے یہ جہان فانی ہے
آرزوے ملنے کی عالم جوانی ہے — ہجر کی اندھیری شب کیا غضب ڈرانی ہے
آج اُس کا یہاں آنا عین مہربانی ہے

تمام در دیوان ست مع مخمس دوم گفتم۔

مجلس شصت و دوم

در ڈھاکہ مرزا عزیز و شیخ ہدایت اللہ و میر جاگن و بندہ در کشتی سوار بودیم مرزا گفتند که آن صاحب چند شاگرد دارند گفتم موقوف ذکر دہ کس باشند گفتند در شاہجہان آباد زن ہم شعر میگویند گفتند که چیزے از شعر زنان بخوانید و آنچند شعر میر سید علی غمگین خواندم

یہ داغ عشق نہ ہو دور اپنے سینے سے — کہیں مٹا ہے کھدا حرف بھی نگینے سے
جنوں نے چاک کیا ہو پھر اس گریباں کو — نہیں ہے فائدہ ناصح اب اسکے سینے سے
جو حاصل ہوے ہیں آپکے انفاس سے ورا اس کے — نہ کام مال سے مطلب نہ کچھ خزینے سے
سوا تمہارے مجھے اور سے نہیں کچھ کام — نہ تم سے غیر لگا تے ہیں آ کے کینے سے

ایسا اس قدر مجھے اس عشق نے ستایا ہے — کہ تنگ آ گیا ہوں غمگیں میں اپنے جینے سے

بغیر تیرے نہیں کوئی یار آنکھوں میں — پھرے ہے تو ہی تو لیل و نہار آنکھوں میں

مضطرب تھا دل اپنا ہجر یار — آخر اُس شوخ نے جلا مارا

شمع تیرا یہ مکھڑا ہے اور دل میرا پروانہ ہے — داغ جگر پر عشق میں تیرے مثل چراغ خانہ ہے

میرے صیاد نے اک ظلم یہ ایجاد کیا — بال و پر توڑ قفس سے مجھے آزاد کیا

مزا اس عشق کی دولت سے چہرہ زعفرانی ہے — نکلتا اشک ہے آنکھوں سے ہر سو ارغوانی ہے

از مشق بسنت سنگھ نشاط خواندم ہ

دل لٹک کر زلف میں الجھا ہے بالے کے ساتھ — جو نہ سینہ تھی پھر گیا وہاں سے وہ کیا لے کے ساتھ
جا لگا دل شاید اس آفت کے پرکالے کے ساتھ — آگ کے شعلے نکلتے ہیں جو ہر نالے کے ساتھ
ہے تصور میں فرقت کے دیکھ ڈانواڈول وہ — مست کر اتنی کھینچ اپنے چاہنے والے کے ساتھ
وادی غربت ہوا رشک ہزاراں گلستاں — کی ہے کاوش خار نے ہر پاؤں کے چھالے کے ساتھ

دل چل اب منظور کر سیر بہشت پنجاب ہی — مستعد چلنے پہ ہیں سرہند و انبالے کے ساتھ

دیکھتے ہی اُسکے سوجھی مجکو سیر لامکاں — عالم بالا نظر آیا ترے بالے کے ساتھ

پیچ مت کھا حلقۂ گیسوئے مشکیں کا نشاط — ناگہانی حادثہ ہے کھیلنا کالے کے ساتھ

کوئی تڑپے ہے مارا چشم کا اور کوئی قامت کا — ترے کوچے میں ہے گرم آج ہنگامہ قیامت کا

پیامبر ہی کہیو تو ماجرا دل کا — کہ نا نوشتہ ہی بہتر ہے مدعا دل کا

جیسے چاہے ہو یہ دل وہ قیامت خوبصورت ہے — پری ہے حور ہے تصویر ہے محبوب صورت ہے

ہم تو اب تک نہ پھرے ہیں وفا سے اپنے — جو کیا تم نے سو تم پاؤ خدا سے اپنے

اس دل وحشی کو کر چھوڑے گی پھر زنجیر زلف — دام تھا ہی سبزۂ خط اور اب ہوئی زنجیر زلف

از انتخاب آفتاب خاں منیر خرد اندم ــــہ

ہے ہمارے یار کو اوروں سے اکثر اختلاط — ایک ہم سے ہی نہیں رکھتا ستمگر اختلاط

اس طرح دل کو محبت تجھ سے ہی اے شعلہ خو — جس طرح آتش سے رکھتا ہے سمندر اختلاط

واہ واہ اے دلبر بے مہر سرکش تو مدام　　ہم پہ کرتا ہے ستم غیروں سے اکثر اختلاط
بے ترحم بے کرم بے مہر کوئی اے صنم　　کس توقع پر کرے اب تجھ سے آکر اختلاط
آتش حسرت سے ہو جاتا ہے دل جلکر کباب　　اُس لب میگوں سے جب کرتا ہے ساغر اختلاط
ارّہ غم سے جگر ہوتا ہے میرا چاک چاک　　کرتی ہے شانے سے جب زلف معنبر اختلاط
اُسکے ملنے سے ہوا رسوا جہاں میں اے نیر　　ہم نہیں کہتے تھے تجھکو آ تو مت کر اختلاط

یار کا کچھ وصف خط کرنہ سکیگا رقم　　کیسا ہی گو آپ کو آپ تراشے قلم

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کرے　　کنگھی کے دانت توڑ کے اپنی زباں کرے

مکتب میں تجھے دیکھ کے ہوش سبق ہے　　ہر طفل کے یہاں اشک سے آلودہ ورق ہے

از مشق محمدی خان خواندم ؎

یاد جس وقت تری آتی ہے　　مجکو ہچکی وہیں لگ جاتی ہے
قدر انسان کی تب آتی ہے　　جان جب اُسکی نکل جاتی ہے
بولتے مجھ سے نہیں وہ ہیہات　　وصل کی شب یہ چلی جاتی ہے
غیر آتے ہیں نہیں پردہ کچھ　　مجکو یہ خو تری کب بھاتی ہے

قتل کرتی ہے وہیں ہجر کی شب — جب وہ صورت مجھے دکھاتی ہے
گردشِ دہر سے ہوئی ہیں جان — سانگ اب دیکھیے کیا لاتی ہے

دنیا میں ہم جو آئے تو کیا کام کر چلے — ناحق ہم اپنے نام کو بدنام کر چلے

دل ہمارا جو اُس پہ مرتا ہے — کب خبر اُس کو کوئی کرتا ہے

از راجہ کدارناتھ کہ نسیم تخلص میکنند خواندم ؎

آتی ہے یاد جس دم اُس ماہرو کی چاہیں — لیتا ہوں سانس ٹھنڈی بھرتا ہوں گرم آہیں
مشکل ہوا ہے ہم کو اب دیکھنا بھی اُس کا — لڑتی تھیں اپنی جس سے دن رات یہ نگاہیں
کیونکر ہو چین اُس بن صحبت ہو جس سے ایسی — چھاتی سے لگتی چھاتی باہوں کے ساتھ باہیں
آساں نہیں قدم کو اُس سرزمیں میں رکھنا — ہے سخت منزلِ عشق اُسکی کٹھن ہیں راہیں
اُمید وصل ہی میں ہوگا وصال ایک دن — کب تک نسیم اُسکی فرقت میں ہم کراہیں

مسی مالیدہ دنداں یار کے کیسے چمکتے ہیں — تعجب ہے کہ تارے ابر میں کیونکر چمکتے ہیں

کیوں آپ ہم سے ناحق یار دن خفا ہیں — چاہت کے ہم ہیں بھوکے الفت کے آشنا ہیں

سے ہے جب سے چھپا ہم سے دل آرام ہمارا
پاتا ہی نہیں تب سے دل آرام ہمارا

گھٹا کیونکر نہ اب اس مہ بنا گریاں سے گھیر اٹھے
وہ برسے ایک پل میں رات دن یا سال برسا کو

گرم الفت دل ہوا اس آتش کے پرکالے کے ساتھ
آہ سوزاں دمبدم نکلے ہے ہر نالے کے ساتھ

از راجہ شنکر ناتھ کہ صبا تخلص میفرمایند خواندم سه

بیاں کیا کیجیے جو کچھ کہ ہم پر درد و غم ہوگا
میاں جاتے ہو تم یہاں سے عجب یہ پا الم ہوگا

تمہاری یاد میں گذریگا مجکو رات دن روتے
نہیں معلوم اور دل پر مرے کیا کیا ستم ہوگا

اگر تو مبتلا ہوتا کسو پر تو سمجھتا کچھ
تری جانے بلا جو کچھ کہ مجھ پر اے صنم ہوگا

تو ہی بے رحم ہے جو تجکو رحم آتا نہیں مطلق
جو کوئی اور دیکھیگا مجھے وہ چشم نم ہوگا

غلط سمجھا ہے تو پیارے رہے یاد کیا امکاں
قرار اس دل کو میرے آہ تجھ بن ایکدم ہوگا

ہمیشہ داغ پر یہ داغ کھاتا ہے مرا سینہ
کوئی دن کو جو دیکھوگے تو یہ رشک ارم ہوگا

صبا کس واسطے ہوتا ہے مضطر دل میں تو اپنے
لکھا لایا ہے جو قسمت میں کب وہ بیش و کم ہوگا

کیا پوچھتے ہو جور و ستم تجھ سے یار کا
دیکھو یہ حال میرے دل بیقرار کا

باغ میں جب وہ نوجوان گیا — سرو کا قد پر اُس کے دھیان گیا

کوئی دم باقی تھا اُسکا سو تنک کر رہ گیا — تیغ ابرو کا تری گھائل سسکا کر رہ گیا

بے سبب ہرگز نہیں ہی پیار کرنا یار کا — دیکھیے ہے کیا ارادہ اُس بت عیار کا

از دیوان عالم نسا کہ پنہاں تخلص میکند خواندم ؎

اس آہ نے ہماری آخر یہ کی رسائی — ظلم و ستم وہ بھولا اور ہم سے کی جدائی
کچھ شک نہیں ہی اسمیں یہ میں سمجھ رہی ہوں — ایک روز پھر کرے گا آخر وہ بیوفائی
بوسہ جو میں نے مانگا کہنے لگا وہ ہنسکر — چل دور تو نے یہ ہی بکواس کیا لگائی
یہ سن کے آئی وحشت میں گھر سے بھاگ نکلی — زنجیر پاؤں پڑکر پھر گھر میں اپنے لائی
کہتے تھے لوگ مجکو دینا نہ دل تو پنہاں — جیسا کیا تھا میں نے ویسی سزا ہے پائی

دل ہم نے دیا تھا تجھے دلدار سمجھکر — تھا ہم نے لیا عشق کا آزار سمجھکر
ایسا ہے وہ ظالم کہ عیادت کو بھی گاہے — آتا ہی نہیں یہاں مجھے بیمار سمجھکر
تو ایک ہی مچلا ہے کہ قائل ہیں ترے ہم — سنتا نہیں پھر بات کو یکبار سمجھکر

پھلا یہ ثمر ہیگا محبت کی شجر کا — روتے ہیں جو یہ دیدۂ خونبار سمجھکر
تو عشق کے پھندے میں نہ پھنسنا کہیں میاں — ناداں نہ ہونا کبھو زنہار سمجھکر

تجھ بن تڑپ رہا ہے یہ بیمار بے طرح — ہے غم سے آج دل کو سروکار بے طرح
یارب یہ درد کیا ہے کہ جسکا ہے نام عشق — دل کو لگا ہے اپنے یہ آزار بے طرح
دلدار اسکو سمجھے تھے ہم خوب سوچ کر — آخر کو نکلا وہ تو دلآزار بے طرح
محفل میں میں نے اسکی جو جاکر کیا گذر — دیکھا تو ہے نشے میں وہ سرشار بے طرح
مذکور میں نے پھر جو کچھ اس بات کا کیا — بگڑا بہت ہی مجھ سے وہ خونخوار بے طرح
یارو خدا ہی خیر کرے اُن کی جان کی — پنہاں ہوئے ہیں اُنکی گرفتار بے طرح

بعد آں عرض کردم کہ شخصے از عالم نسا بیغم تخلص وارد و در مزاج آں شوخی کمال ست روزے چند غزل برائے اصلاح فرستادہ و چند غزل ریختی ازیں جانب طلبیدہ بود

بندہ ایں غزل فرستاد ؎

ٹیس پسلی میں اٹھی وہیں مری جان گئی — مت ستا مجھکو دوگانا تیرے قربان گئی
تجھ سے جب تک نہ ملی تھی مجھے کچھ کھٹک نہ تھا — ہاتھ ملتی ہوں تری بات کو کیوں مان گئی

وجملہ غزل در دیوان ست در جواب ایں غزل از راہ شوخی نوشتہ فرستاد ؎

کبھو کہتا ہے تو دل اور کبھو جان گئی — جھوٹی باتیں ہیں یہی جان میں جان گئی

ہیجڑا پن کو ذرا چھوڑ کے مردی پکڑو — کچھ یہ بولی ہے کہ اے ہائے مری جان گئی

جی میں کچھ اور نہ لے جائیو واری تیرے — تو تو شاعر ہے بڑا میں تجھے پہچان گئی

تیر کی طرح تری بات مرے جی کو لگی — تیری رنگینی پر ان شعروں کے قربان گئی

جان تسنیم کو تو میں اپنی ہی لونڈی رنگین — صدقے ہر دم ترے واری ترے ہر آن گئی

ہر گاہ ایں غزل نوشتہ بہ بندہ فرستادہ ہماں وقت بر پشت آں در جواب نوشتہ فرستادم

کس نے لکھا تھا تمھیں دل لگیا او جان گئی — مجکو کیوں لکھتی ہو تم میں تجھے پہچان گئی

ہیجڑا مجکو تو کہتی ہو خبردار رہو — وقت پر دیکھیو نہ بس کر تجھے قربان گئی

جسکو رکھتا ہوں اسے دیتا ہوں سالوں سی خرچی — نخرا پھر کر کے میں کہتا ہوں مری جان گئی

پڑھ کے اس شعر کو تیرے تو ہوا تھا میں خفا — کچھ بھی بولی ہے کہ اے ہائے مری جان گئی

پر وہیں ہنس پڑا جب میں نے پڑھا یہ مصرع — تیری رنگینی پہ ان شعروں کے قربان گئی

از اشعار عزیز دل والفت کہ عزیز تخلص میکند خواندم

جب کہ باغ و بہار دیکھیں گے — ایک گل کیا ہزار دیکھیں گے

تم نہ دیکھو گے گو ہمیں سو بار — ہم تمھیں لاکھ بار دیکھیں گے

اس کتاب میں جن آدمیوں اور جن شہروں کا ذکر آیا ہے اُن کے نام دو فہرستوں میں حروفِ تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے لکھے جاتے ہیں۔ شاعروں کا تخلص اُن کے نام سے زیادہ مشہور ہوتا ہے اس لیے اس فہرست میں اُن کا تخلص نام سے پہلے رکھا گیا ہے اور ترتیب میں اُن کو تخلص کے اعتبار سے جگہ دی گئی ہے۔ ہر نام کے سامنے اُن مجلسوں کا حوالہ دیا گیا ہے جن میں وہ نام آیا ہے۔

اسماء الرجال

اسماء البلاد

پہلا ایڈیشن نومبر ۱۹۲۹ء

Date	No.	Date	No.